عیدین

عید الفطر

عید الاضحیٰ

ابو الکلام آزاد

تصنیف   مولانا ابو الکلام آزاد

قیمت : ایک روپیہ آٹھ آنے

(مطبوعہ جدید پریس دہلی)

عِیدُالفِطر

۱۵ ستمبر سنہ ۱۹۱۲ء
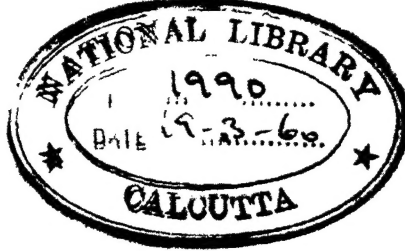
عید آمد و افزود غمم را غم دیگر

ماتم زده را عید بود ماتم دیگر

دُنیا کی ہر قوم کے لئے سال بھر میں دو چار دن ایسے ضرور آتے ہیں، جن کو وُہ اپنے کسی قومی جشن کی یادگار سمجھ کر عزیز رکھتی ہے، اور قوم کے ہر فرد کے لئے اُن کا وُرود عیش و نشاط کا دروازہ کھول دیتا ہے۔

مُسلمانوں کا جشن اور ماتم، خوشی اور غم، مرنا اور جینا، جو کچھ تھا خدا کے لئے تھا۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ہ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۔

کہہ دے کہ میری نماز، میری تمام عبادت، میرا مرنا، میرا جینا جو کچھ ہے اللہ کیلئے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور جس کا کوئی شریک نہیں۔ مجھ کو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے۔ اور میں

مسلمانوں میں پہلا مسلمان ہوں۔

اوروں کا جشن ونشاط للائذ دنیوی کے حصول اور خواہشوں کی کام جوئیاں میں تھا، مگر اُن کے ارادے مشیّت الہٰی کے ماتحت، اور خواہشیں رضائے الہٰی کی محکوم تھیں۔ ان کے لئے سب سے بڑا ماتم یہ تھا کہ دل اُس کی یاد سے غافل اور زبان اُس کے ذکر سے محروم ہو جائے اور سب سے بڑا جشن یہ تھا کہ سر اُس کی اطاعت میں جھکے ہوں اور زبان اُس کی حمد و تقدیس سے لذت یاب ہو۔

اِنَّمَا يُؤْمِنُ بِاٰيٰتِنَا الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِهَا خَرُّوْا سُجَّدًا وَّسَبَّحُوْا بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّطَمَعًا،

ہماری آیتوں پر تو وہ لوگ ایمان لائے ہیں، کہ جب اُن کو وہ یاد دلائی جاتی ہیں تو سجدے میں گر پڑتے ہیں اور اپنے پروردگار کی حمد و ثنا کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے ہیں اور وہ کسی طرح کا تکبر و بڑائی نہیں کرتے۔ رات کو جب سوتے ہیں تو اُن کے پہلو بستروں سے آشنا نہیں ہوتے اور امید و بیم کے عالم میں کروٹیں لے کر اپنے پروردگار سے دعائیں مانگتے رہتے ہیں۔

ان کو پیش گاہِ الہٰی سے طاعت و شکر گذاری کے جشن کے لئے دو دن ملے

تھے۔ پہلا دن (عید الفطر) کا تھا۔ یہ اُس ماہِ مقدس کے اختتام اور افضالِ الہٰی کے دورِ جدید کے اولین یوم کا جشن تھا جس میں سب سے پہلے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام سے اُن کو مخاطب فرمایا۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْ أُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآنُ۔	رمضان کا مہینہ، جس میں قرآنِ کریم اوّل اوّل نازل کیا گیا۔

اسی مہینے کے آخری عشرے میں سب سے پہلے اُنہیں وہ نُورِ صداقت اور کتابِ مبین دی گئی، جس نے انسانی معتقدات و اعمال کی تمام ظلمتوں کو دور کیا اور ایک روشن اور سیدھی راہ دُنیا کے آگے کھول دی۔

لَقَدْ جَآءَكُمْ من الله نور و كتاب مبين، يهدى به الله من اتبع رضوانه سبل السلام	بے شک خدا کی طرف سے تمہارے پاس (قرآن) ایک روشنی اور کھلی کھلی ہدایت بخشنے والی کتاب بھیجی گئی اللہ اُس کے ذریعے اپنی رضا چاہنے والوں کو سلامتی کی راہوں پر ہدایت کرتا ہے۔

انسانی ضمیر کی روشنی، جب کہ ظلمت اور ضلالت سے چھپ گئی تھی، فطرت کے حسنِ اصلی پر جب انسان نے بد اعمالیوں کے پردے ڈال دیئے تھے، قوانینِ الہٰی کا احترام دُنیا سے اُٹھ گیا تھا، اور طغیان و سرکشی کے سیلاب میں خدا کے رسولوں کی بنائی ہوئی عمارتیں بہہ رہی تھیں۔

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِی النَّاسِ

خشکی اور تری دونوں میں انسانوں کے اعمالِ بد کی وجہ سے فساد پھیل گیا۔

اُس وقت یہ پیغام صداقت دُنیا کے لئے نجات اور ہدایت کی ایک بشارت بن کر آیا، اُس نے جہل و باطل پرستی کی غلامی سے دُنیا کو دائمی نجات دلائی۔ افضال و نعائم الٰہیہ کے فتحیاب کا مژدہ سُنایا، نئی عمارت گو خود نہیں بنائی۔ مگر پُرانی عمارتوں کو ہمیشہ کے لئے مضبوط کر دیا، نئی تعلیم گو نہیں لایا، لیکن پُرانی تعلیموں میں بقائے دوام کی رُوح پھونک دی۔ مختصر یہ ہے کہ فطرت اور نوامیس فطرت کی گم شدہ حکومت پھر قائم ہوگئی۔

فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا، لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ، ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

یہ خدا کی بنائی ہوئی سرشت ہے۔ جس پر خدا نے انسان کو پیدا کیا ہے خدا کی بنائی ہوئی بناوٹ میں رد و بدل نہیں ہو سکتا۔ یہی (راہِ فطرت) دین کا سیدھا راستہ ہے، مگر اکثر آدمی ہیں جو نہیں سمجھتے۔

یہی مہینہ تھا، جس میں دنیا کے روحانی نظام پر ایک عظیم الشان انقلاب طاری ہوا، اسی مہینے میں وہ عجیب و غریب رات آئی تھی، جس نے اس انقلاب عظیم کا ہمیشہ کے لئے ایک اندازہ صحیح کر کے فیصلہ کر دیا تھا، اور اس لئے وہ

(لیلۃ القدر) تھی۔ اس کی نسبت فرمایا کہ وہ گذشتہ رسولوں کے ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ کیونکہ اِن مہینوں کے اندر دُنیا کو جو کچھ دیا گیا تھا، وہ سب کچھ مع خدا کی نعمتوں اور عطا کردہ فضیلتوں کے اس رات کے اندر بخش دیا گیا :-

إِنَّآ أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ	قرآن کریم نازل کیا گیا لیلۃ القدر میں
وَمَآ أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ	اور تم جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟
لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ ط	وہ ایک ایسی رات ہے جو دُنیا کے ہزار مہینوں پر افضلیت رکھتی ہے۔

یہی رات تھی جس میں ارضِ الٰہی کی روحانی اور جسمانی خلافت کا ورثہ ایک قوم سے لے کر دوسری قوم کو دیا گیا اور یہ اُس قانونِ الٰہی کے ماتحت ہوا جس کی خبر (داؤد) علیہ السلام کو دی گئی تھی :-

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ۔	اور ہم نے (زبور) میں پند و نصیحت کے بعد لکھ دیا تھا کہ بے شک زمین کی خلافت کے ہمارے صالح بندے وارث ہوں گے۔

اِس قانون کے مطابق دو ہزار برس تک (بنی اسرائیل) زمین وراثت پر

حائل ہے، اور خدا نے اُن کی حکومتوں، اُن کے ملکوں، اور اُن کے خاندان کو تمام عالم پر فضیلت دی۔

یٰبَنِیٓ اِسْرَآءِیْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِیَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتُ عَلَیْكُمْ وَاَنِّیْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ۝	اے بنی اسرائیل! ان نعمتوں کو یاد کرو جو ہم نے تم پر انعام کیں، اور (نیز) ہم نے تم کو (اپنی خلافت دے کر) تمام عالم پر فضیلت بخشی۔

یہی مہینہ اور یہی لیلۃ القدر تھی، جس میں اس الٰہی قانون کے مطابق نیابت الٰہی کا ورثہ (بنی اسرائیل) سے لے کر (بنی اسماعیل) کو سپرد کیا گیا۔ وہ پیمان محبت جو خداوند نے بیابان میں (اسحاق) سے باندھا تھا، وہ پیغام بشارت جو (یعقوب) کے گھرانے کو کنعان سے ہجرت کرتے ہوئے سنایا گیا تھا، وہ الٰہی رشتہ جو (کوہ سینا) کے دامن میں خدائے ابراہیم و اسحاق نے (بزرگ موسیٰؑ) کی اُمت سے جوڑا تھا، اور سرزمین فراعنہ کی غلامی سے ان کو نجات دلائی تھی۔ خدا کی طرف سے نہیں، بلکہ خود اُن کی طرف سے توڑ دیا گیا تھا۔ (داود) کے بنائے ہوئے (ہیکل) کا دورِ عظمت ختم ہو چکا تھا اور وہ وقت آ گیا تھا کہ اب (اسماعیل) کی چھنی ہوئی دیواروں پر خدا کا تخت جلال و کبریائی بچھایا جائے۔ یہ نصب وعزل، عزت و ذلت، قرب و بعد، اور ہجر و وصال کی رات تھی۔ جس میں ایک محروم اور دوسرا کامیاب ہوا، ایک کو دائمی ہجر کی سرگشتگی

اور دوسرے کو ہمیشہ کے لئے وصل کی کامرانی عطا کی گئی، ایک کا بھرا ہُوا دامن خالی ہو گیا، مگر دوسرے کی آستین افلاس بھر دی گئی، ایک پر قہر و غضب کا عتاب نازل ہُوا۔

وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ، وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ	بنی اسرائیل کو (اُن کی نافرمانیوں) کی سزا میں ذلّت اور محتاجی میں مبتلا کر دیا گیا، اور اللہ کے بھیجے ہوئے غضب میں آ گئے۔

لیکن دوسرے کو اس محبت کے خطاب سے سرفراز کیا۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ	تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور عمل بھی اچھے کئے خدا کا اُن سے وعدہ ہے کہ ان کو زمین کی خلافت بخشے گا جس طرح ان سے بیشتر قوموں کو اُس نے بخشی تھی۔

یہ اس لئے ہوا کہ زمین کی وراثت کے لئے "عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ" کی شرط لگا دی تھی۔ بنی اسرائیل نے خدا کی نعمتوں کی قدر نہ کی، اُس کی نشانیوں کو جھٹلایا، اس کے احکام سے سرتابی کی، اس کی بخشی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کو اپنے نفس ذلیل کی تبلائی ہوئی چیزوں سے بدل دینا چاہا۔

أَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ أَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ	خدا کی دی ہوئی اعلیٰ نعمتوں کے بدلے تم ایسی چیزوں کے طالب ہو جو اُن کے مقابلے میں نہایت ادنےٰ ہیں۔

خدائے قدوس کی زمین کثافت اور گندگی کے لئے نہیں ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جماعتوں کو چن لیتا ہے، تاکہ اُس کی طہارت کے لئے ذمہ دار ہوں۔ لیکن جب خود اُن کا وجود زمین کی طہارت و نظافت کے لئے گندگی ہو جاتا ہے، تو غیرتِ الٰہی اس بار آلودگی سے اپنی زمین کو ہلکا کر دیتی ہے۔ بنی اسرائیل نے اپنے عصیان و تمرد سے ارضِ الٰہی کی طہارت کو جب داغ لگا دیا، تو اس کی رحمتِ غیور نے (کوہ سینا) کے دامن کی جگہ (بو قبیس) کی وادی کو اپنا گھر بنایا اور (شام) کے مرغزاروں سے روٹھ کر (حجاز) کے ریگستان سے اپنا رشتہ قایم کیا۔ تاکہ آزمایا جائے کہ یہ نئی قوم اپنے اعمال سے کہاں تک اس منصب کی اہلیت ثابت کرتی ہے۔

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْاَرْضِ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ۔	اور بنی اسرائیل کے بعد ہم نے تم کو زمین کی وراثت دی تاکہ دیکھیں کہ تمہارے اعمال کیسے ہوتے ہیں؟

پس یہ مہینہ بنی اسرائیل کی عظمت کا اختتام، اور مسلمانوں کے اقبال کا

آغاز تھا، اور اس نئے دورِ اقبال کا پہلا مہینہ (شوال) سے شروع ہوتا تھا، اس
لئے اس کے یومِ وُرود کو (عید الفطر) کا جشنِ ملّی قرار دیا گیا، تاکہ افضالِ الٰہی
کے ظہور اور قرآن کریم کے نزول کی یاد ہمیشہ قائم رکھی جائے اور اس احسان و
اعزاز کے شکریے میں تمام ملّتِ مرحومہ اُس کے سامنے سربسجود ہو۔

وَاذْكُرُوْٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ
مُّسْتَضْعَفُوْنَ فِي الْاَرْضِ
تَخَافُوْنَ اَنْ يَّتَخَطَّفَكُمُ
النَّاسُ فَاٰوٰىكُمْ
وَاَيَّدَكُمْ بِنَصْرِهٖ
وَرَزَقَكُمْ مِّنَ
الطَّيِّبٰتِ لَعَلَّكُمْ
تَشْكُرُوْنَ۔

اور اس وقت کو یاد کرو، جب کہ تم
تم نہایت کم تعداد اور کمزور تھے
اور ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں
زبردستی پکڑ کے اُڑا نہ لے جائیں،
لیکن خدا نے تم کو جگہ دی، اپنی
نصرت سے مدد کی، عمدہ رزق
تمہارے لئے مہیا کر دیا، اور یہ اس
لئے تھا تاکہ تم شکر ادا کرو۔

مگر یہ عید الفطر کا جشنِ ملّی! یہ ورودِ ذکر و رحمتِ الٰہی کی یادگار! یہ
سربلندی و افتخار کی بخشش کا یادآور! یہ یومِ کامرانی و فیروزی و شادمانی
اُس وقت تک عیش و سرور کا دن تھا، جب تک ہمارے سر تاجِ خلافت سے
سربلند ہونے کے لئے، اور جسم خلعتِ نیابت سے مفتخر ہونے کے لئے تھے۔
عزت و عظمت جب ہمارے ساتھ تھی، اور اقبال و کامرانی ہمارے آگے

دوڑتی تھی ۔ خدا کی نعمتوں کا ہم پر سایہ تھا اور اللہ کی بخشی ہوئی خلافت کے تخت جلال پر متمکن تھا، لیکن اب ہمارے اقبال دکامرانی کا تذکرہ صرف صفحات تاریخ کا ایک افسانہ ماضی رہ گیا ہے۔

دُنیا کی اور قومیں ہمارے لئے وسیلۂ عبرت تھیں، لیکن اب خود ہمارے اقبال وادبار کی حکایت اوروں کے لئے مثالِ عبرت ہے۔ ہم نے خدا کی دی ہوئی عزت دکامرانی کو ہوائے نفس کی بتلائی ہوئی راہ مذلت سے بدل لیا، اُس کے عطا کئے ہوئے منصب خلافت کی قدر نہ پہچانی اور زمین کی وراثت و نیابت کا خلعت ہم کو راس نہ آیا۔ اب ہمارے عید کی خوشیوں کے دن گئے، عیش و عشرت کا دور ختم ہوگیا، ہم نے بہت سی عیدیں تخت حکومت وسلطنت پر دیکھیں، اور ہزاروں شادیانے سریر خلافت کے آگے بجوائے، ہم پر صدہا عیدیں ایسی گزریں، جب دُنیا کی قومیں ہمارے سامنے سربسجود تھیں اور عظمت و شوکت کے تخت اُلٹے ہوئے ہمارے سامنے تھے۔ اب عید کے عیش وطرب کی صحبتیں اُن قوموں کو مبارک ہوں جن کی عبرت و تنبیہہ کے لئے اب تک ہمارا وجود بعض نہیں ہے۔ ان کو خوش نصیب سمجھئے جو اپنے دورِ اقبال کے ساتھ خود بھی مٹ گئے، ہمارا اقبال جا چکا ہے مگر ہم خود اب تک دُنیا میں باقی ہیں۔ شاید اس لئے کہ غیروں کے طعنے سُنیں، اور اپنی ذلت وخواری پر آنسو بہا کر قوموں کے لئے وجود

عبرت ہوں ؎

درکار ماست نالہ دمن درہوائے او
پروانۂ چراغ مزار خودیم ما

اس دن کی یادگار ہمارے لئے جشن و طرب کا پیام تھی۔ کیونکہ یہی دن ہمارے لئے صحیفۂ اقبال کا عنوان اولیں تھا اور اسی تاریخ سے ہمارے ہاتھوں قرآنی حکومت کا دورِ جدید قلوب و اجسام کی زمین پر شروع ہوا تھا۔ اس دن کا طلوع ہم کو یاد دلاتا تھا کہ بداعمالیوں نے کیونکر بنی اسرائیل کو دو ہزار سالہ عظمت سے محروم کیا اور اعمالِ حسنہ کے شرف و افتخار نے کیوں کر ہمیں برکات الہٰی کا مہبط و مورد بنایا؟ اس دن کا جب آفتاب نکلتا تھا، تو ہمیں خبر دیتا تھا کہ کس طرح خدا کی زمین نافرمانیوں کی ظلمت سے تاریک ہوگئی تھی اور پھر کس طرح ہمارے اعمال کی روشنی افق عالم پر نیّرِ درخشاں بن کر نمودار ہوئی تھی۔ ؟ لیکن :-

فَخَلَفَ مِنْ م بَعْدِهِمْ	پھر ان کے بعد ایسے ناخلف پیدا
خَلْفٌ اَضَاعُوا الصَّلٰوۃَ	ہوئے جنہوں نے خدا کی عبادت کو
وَاتَّبَعُوا الشَّهَوَاتِ	ضائع کر دیا اور نفسانی خواہشوں
فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا۔	کے پیچھے پڑ گئے۔ پس جلد اُن کی
	گمراہی اُن کے آگے آئے گی۔

اب یہ روز گار اگر یادگار ہے، تو عیش و شادمانی کے لئے نہیں بلکہ حسرت و

نامرادی کے لئے، اگر یادآور واقعات ہے، تو عطاء بخش کی فیروزمندی کے لئے نہیں، بلکہ ناقدری وکفرانِ نعمت کی مایوسی وحسرت سنجی کے لئے، پہلے اس کامرانی کی یاد تھا کہ ہم دولت قبولیت سے سرفراز ہوئے مگراب اِس نامرادی کی حسرت کو تازہ کرتا ہے کہ ہم نے اس کی قدر نہ کی، اور ذلت وعقوبت سے دوچار ہیں پہلے اِس وقت سعادت کی یاد تازہ کرتا تھا۔ جو ہماری دولت واقبال کا آغاز تھا، اوراب اس دورِ مسکنت وذلت کا زخم تازہ کرتا ہے جو ہماری عزت وکامرانی کا انجام ہے، پہلے یکسر جشن ونشاط تھا، اب یکسر ماتم وحسرت ہے۔ جشن تھا تو (قرآن کریم) کے نزول کی یادگار کا، جس نے پہلے ہی دن اعلان کردیا تھا کہ:۔

یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا	مسلمانو! اگر تم خدا سے ڈرتے رہے (اور اس کے احکام سے سرتابی نہ کی) تو وہ تمام عالم میں تمہارے لئے ایک امتیاز پیدا کردے گا۔

اور اب ماتم ہے تو اُس قرآن کی اس پیش گوئی کے ظہور کا کہ:۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِکْرِیْ فَاِنَّ لَہٗ مَعِیْشَۃً ضَنْکًا	اور جس نے ہمارے ذکر سے رُوگردانی کی، اُس کی زندگی دُنیا میں تنگ ہوجائے گی۔

پہلے اس کی (بشارت) کو یاد کر کے جشن مناتے تھے اور اب وہ وقت ہے کہ اس کی (وعید) کے نتائج کو گرد و پیش دیکھ کر عبرت پکڑیں، اب عید کا دن ہمارے عیش و نشاط کا دن نہیں رہا، البتہ عبرت اور موعظہ کی ایک یادگار ضرور ہے۔

وَكَذٰلِكَ أَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا وَّصَرَّفْنَا فِيْهِ مِنَ الْوَعِيْدِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ اَوْ يُحْدِثُ لَهُمْ ذِكْرًا	ایسا ہی ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا اور اس میں طرح طرح کی وعیدیں درج کیں۔ تاکہ لوگ پرہیزگاری اختیار کریں یا اس کے ذریعے سے اُن کو دلوں میں عبرت اور فکر پیدا ہو۔

دُنیا میں عیش کی گھڑیاں کم میسّر آتی ہیں، پھر سال بھر کے بعد اس تنہا جشن کو کیوں نہ عزیز رکھا جائے؟ میں بھی نہیں چاہتا کہ آپ عید کی خوشیوں میں سرمست عیش و نشاط ہوں، اور میں افسانۂ غم چھیڑ کر آپ کے لذّتِ عیش کو منغّص کر دوں، مگر یقین کیجئے کہ اپنے دل اندوہ پرست کی بے قراریوں سے مجبور ہوں۔ قاعدہ ہے کہ ایک غمگین دل کے لئے عیش کی گھڑیوں سے بڑھ کر اور کوئی وقت غم کے حوادث کا یاد آور نہیں ہوتا۔ ایک غم زدہ ماں، جو سال بھر کے اندر اپنے کئی فرزندوں کو کھو چکی ہو، اگر عید کے دن اس کو اپنی بقیہ اولاد سے

چہرے دیکھ کر خوشی ہو گی تو ایک ایک کر کے اس کے گم گشتہ لخت جگر بھی سامنے آجائیں گے
ایک بدبخت، جو اپنا تمام مال و متاع غفلت و بیہوشی میں ضائع کر چکا ہو، عید کے دن
جب لوگوں کی زرّیں قباؤں اور پُر جواہر کلاہوں کو دیکھے گا تو ممکن نہیں کہ اس کو اپنی
کھوئی ہوئی دولت کے ساز و سامان یاد نہ آجائیں۔ دیکھتا ہوں تو یہ جشن کی عیدیں
عیش و مسرت کا پیام نہیں، بلکہ یاد اور درد و حسرت ہیں۔ آہ! کیا دُنیا میں
غفلت و سرشاری کی حکومت ہمیشہ سے ایسی ہے؟ کیا دُنیا میں ہمیشہ نیند زیادہ
اور بیداری کم رہی ہے؟ یہ لوگوں کو کیا ہو گیا؟ ایک دن کی خوشیوں میں بے خود
ہو کر ہمیشہ کے ماتم و اندوہ کو بھول گئے ہیں؟ بزم جشن کی تیاریاں کس کے لئے
جب کہ دُنیا اب ہمارے لئے ایک دائمی ماتم کدہ بن گئی ہے؟ عیش و نشاط کی
بزموں کو آگ لگائیے، عید کے قیمتی کپڑوں کو چاک چاک کر ڈالئے۔ عطر کی
شیشیوں کو اپنے بخت زبوں کی طرح اُلٹ دیجئے، اور اس کی جگہ مٹھیوں میں
خاک و گرد بھر بھر کر اپنے سر و سینے پر اوڑائیے، زرّیں کلاہوں اور ریشمین قباؤں
کے پہننے کے اب دن گئے ؎

ماخانہ رمیدگان ظلیم
پیغام خوش از دیار ما نیست

لیکن اس طلسم سرائے ہستی کی ساری رونق انسان کی غفلت و سرشاری
سے ہے، ممکن ہے کہ جشن عید کے ہنگاموں میں غم و اندوہ کی یہ آہیں آپ کے

کانوں تک نہ پہنچیں، تاہم اس کو تو نہ بھولئے کہ پیروانِ اسلام کا حلقہ صرف آپ کے وطن و مقام پر محدود نہیں، وہ ایک عالمگیر برادری ہے جس میں چین کی دیوار سے لے کر افریقہ کے صحرا تک چالیس کروڑ انسان ایک ہی رشتے کی زنجیر میں منسلک ہیں۔ اگر (طرابلس) میں قتیلان ظلم و ستم کی لاشیں تڑپ رہی ہیں تو یہ عیش پرستی ایک لعنت ہے، جو آپ کو عید کی خوشیوں میں سرمست کر رہی ہے اگر (ایران) میں آپ کے اخوانِ ملت کو جرم وطن پرستی میں پھانسیاں دی جا رہی ہیں۔ تو وہ آنکھیں پھوٹ جائیں، جو ہندوستان میں اشکبار نہ ہوں، اگر (مراکو) میں (اسلام) کا آخری نقش حکومت مٹ رہا ہے، تو کیوں نہیں ہندوستان کے عیش کدوں میں آگ لگ جاتی ہے اسلام کی اخوّت عمومی، تمیز قوم و مرز و بوم سے پاک ہے؛ اور اس کا ایک ہی خدا اپنے ایک ہی آسمان کے نیچے تمام پیروان توحید کو ایک جسم واحد میں دیکھنا چاہتا ہے۔ ان هٰذہٖ امتکم امۃ واحدۃ وانا ربکم فاتقون۔ پس جسم اسلام کا ایک عضو درد سے بے قرار ہے تو تمام جسم کو اس کی تکلیف محسوس ہونی چاہیئے، اگر زمین کے کسی حصّے میں مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے تو تعجب ہے اگر آپ کے چہرے پر آنسو بھی نہ بہیں اگر غفلت کی سرمستیوں نے پچھلے حوادث بھلا دیئے ہیں تو آج بھی جو کچھ ہو رہا ہے آپ کے وقفِ ماتم ہو جانے کے لئے کافی ہے۔

قومی زندگی کی مثال بالکل افراد و اشخاص کی سی ہے۔ بچپنے سے لے کر

عہدِ شباب تک کا زمانہ ترقی و نشوونما اور عیش و نشاط کا دور ہوتا ہے۔ ہر چیز بڑھتی ہے اور ہر قوت میں افزائش ہوتی ہے۔ جو دن آتا ہے طاقت و توانائی کا ایک نیا پیام لاتا ہے۔ طبیعت جوش و امنگ کے نشے میں ہر وقت مخمور رہتی ہے اور اس سرخوشی و سرور میں جس طرف نظر اٹھتی ہے۔ فرحت و انبساط کا ایک بہشت زار سامنے آجاتا ہے۔ اس طلسم زارِ ہستی میں انسان سے باہر نہ غم کا وجود ہے اور نہ نشاط کا، البتہ ہمارے پاس دو آنکھیں ضرور ایسی ہیں جو اگر غمگین ہوں تو کائنات کا ہر ظہور غم آلود ہے اور اگر مسرور ہیں تو ہر منظر مرقع انبساط ہے۔ عہدِ شباب و جوانی میں آنکھیں مسرت ہوتی ہیں، اور دل جوش و امنگ سے متوالا، غم کے کانٹے بھی تلوے میں چبھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ فرشِ گل پر گزر رہے ہیں، خزاں کی افسردگی بھی سامنے آتی ہے۔ تو نظر آتا ہے کہ عروسِ بہار سامنے آکر کھڑی ہو گئی ہے۔ دل جب خوش ہو تو ہر شئے کیوں نہ خوش نظر آئے۔

لیکن بڑھاپے کی حالت اس سے بالکل مختلف ہوتی ہے۔ پہلے جو چیزیں بڑھتی تھیں، اب روز بروز گھٹنے لگتی ہیں۔ جن قوتوں میں ہر روز افزائش ہوتی تھی۔ اب روز بروز اضمحلال ہوتا ہے۔ طاقت جواب دے دیتی ہے اور عیش و مسرت کنارہ کش ہو جاتے ہیں۔ جو دن آتا ہے موت و فنا کا ایک نیا پیغام لاتا ہے اور جو دن گزرتا ہے، حسرت و آرزو کی ایک یاد چھوڑ جاتا ہے۔

دُنیا کے سارے عیش و عشرت کے جلوے دل کی عشرت کامیوں سے تھے۔
لیکن دل کے بدلنے سے دل کی آنکھیں بھی بدل جاتی ہیں، پہلے غم کی تصویر بھی
شادمانی کا مرقع نظر آتی تھی اب خوشی کے شادیانے بھی بجتے ہیں، تو اُن میں
سے درد و اندوہ کی صدائیں سنائی دیتی ہیں۔

قوموں کی زندگی کا بھی یہی حال ہے، ایک قوم پیدا ہوتی ہے۔ بچپنے
کا عہد بے فکری کاٹ کر جوانی کی طاقت آزمائیوں میں قدم رکھتی ہے۔ یہ
وقت کاروبارِ زندگی کا اصلی دور اور قوی صحت و تندرستی کا عہد نشاء ہوتا ہے
جہاں جاتی ہے اوج و اقبال اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور جس طرف قدم اُٹھاتی
ہے دُنیا اس کے استقبال کے لئے دوڑتی ہے لیکن اس کے بعد جو زمانہ آتا ہے
اس کو "پیری صد عیب" کا زمانہ سمجھئے کہ قوتیں ختم ہونے لگتی ہیں۔ اور چراغ
میں تیل کم ہو جاتا ہے۔ طرح طرح کے اخلاقی و تمدّنی عوارض روز بروز پیدا
ہونے لگتے ہیں، جمعیت و اتحاد کا شیرازہ بکھر جاتا ہے۔ اجتماعی قوتوں کا اضمحلال
نظامِ ملت کو ضعیف و کمزور کر دیتا ہے۔ وہی زمانہ جو کل تک اُس کی جوانی کی
طاقت کے آگے دم بخود تھا، آج اس کے بسترِ پیری کے ضعف و نقاہت کو دیکھتا
ہے تو ذلّت و حقارت سے ٹھکرا دیتا ہے۔ (قرآن کریم) نے اس قانونِ خلقت
کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اَللّٰہُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ — اللہ وہ قادرِ مطلق ہے جس نے تم کو

مِّنْ ضُعْفٍ، ثُمَّ جَعَلَ	کمزور حالت میں پیدا کیا، پھر بچپنے
مِنْ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً،	کی کمزوری کے بعد جوانی کی طاقت
ثُمَّ جَعَلَ مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ	دی۔ پھر طاقت کے بعد دوبارہ کمزوری
ضُعْفًا وَّشَيْبَةً	اور بڑھاپے میں ڈال دیا۔ وہ جس
يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ	حالت کو چاہتا ہے۔ پیدا کر دیتا ہے
الْعَلِيْمُ الْقَدِيْرُ	اور وہی تمہاری تمام حالتوں کا علیم اور
	ہر حال کا ایک اندازہ کر دینے والا ہے۔

شاید ہماری جوانی کا عہد ختم ہو چکا۔ اب "صد عیب" پیری کی منزل سے گذر رہے ہیں۔ ہمارا بچپن جس قدر حیرت انگیز اور جوانی کی طاقتیں جس درجہ زلزلہ انگیز تھیں، دیکھتے ہیں تو بڑھاپے کے ضعف و نقاہت کو تیز پاتے ہیں۔ شاید اس کے بعد اب منزل فنا درپیش ہے۔ چراغ تیل سے خالی ہوا جاتا ہے۔ اور چولہا خاکستر سے بھرتا جاتا ہے۔ گذشتہ باتوں کی صرف ایک یادگار رہ گئی ہے اور جوانی کے افسانے خواب و خیال معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اگر ہمیں مٹنا ہی ہے تو مٹنے میں دیر کیوں ہے؟ صبح فنا آ گئی ہے تو شمع سحر کو بجھ ہی جانا چاہیئے، جس بزم اقبال و عظمت میں اب ہمارے لئے جگہ نہیں رہی۔ بہتر ہے کہ اوروں کے لئے اُسے خالی کر دیں۔ ہم نے ایک ہزار برس سے زیادہ عرصے تک دُنیا میں زندگی کے اچھے بُرے دن کاٹے، اور ہر طرح کی لذتیں چکھ لیں، حکمرانی کے تخت پر

بھی رہے، اور محکومی کی خاک پر بھی ہو نے علم کی سرپرستی بھی کی، اور جہل کی رفاقت میں بھی رہے، جب عیش و عشرت کی بزم آرائیوں میں تھے تو اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے اور اب حسرت و آرزو کے غمکدے میں ہیں تو اس میں بھی ایک یکتائی رکھتے ہیں۔ زمانے نے ہمارے مٹانے کا فیصلہ کر لیا ہے، تو دیر نہ کرے۔ لیکن گو ہم مٹ جائیں گے مگر ہمارے بٹھائے ہوئے نقشوں کا مٹانا آسان نہ ہوگا، تاریخ ہم کو کبھی نہ بھلا سکے گی، اور ہمارا افسانۂ عبرت ہمیشہ مسافرانِ عالم کو یاد آ آ کر خون کے آنسو رلائیں گا ؎

گو کہ ہم صفحہ ہستی پہ تھے اک حرف غلط
لیک اُٹھے بھی تو اک نقش بٹھا کے اُٹھے

رات کے پچھلے پہر کی تاریکی اور سناٹے میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں میرا قلب مضطر، اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ آفتاب عید کے اشتیاق میں خستگان انتظار کروٹیں بدل رہے ہیں۔ مگر میری نظر ایک جھلملاتے تارے پر ہے۔ دیکھتا ہوں تو یاس و ناامیدی کی رات گو تاریک ہے، مگر پھر بھی ہماری اُمید کے افق پر ایک آخری ستارہ جھلملا رہا ہے۔ جن آنکھوں سے ہم نے خشک درختوں کو کٹتے دیکھا ہے، انہیں آنکھوں نے خشک درختوں کو سرسبز و شاداب بھی ہوتے دیکھا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِہٖ یُرِیْکُمُ ...... اور خدا کی قدرت کی نشانیوں میں

الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا
وَّيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ
مَآءً فَيُحْيِ بِهِ الْاَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ فِيْ
ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ۔

ہے ایک یہ نشان بھی ہے کہ وہ
تم کو ڈرانے اور وعید کرنے کے
لئے بجلی دکھلاتا ہے، پھر آسمان سے
پانی برساتا ہے اور اس کے ذریعے
سے زمین کو اس کے مرنے کے بعد زندہ
کر دیتا ہے۔ بیشک عقلمندوں کے
لئے ان باتوں میں قدرت الٰہی کی بڑی
بڑی نشانیاں ہیں۔

عید الاضحیٰ

۲۰، ۲۷ر نومبر۔ ۴، ۱۱ر دسمبر ۱۹۱۲ء

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ
وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ
قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اِنَّا كَذٰلِكَ
نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ اِنَّ هٰذَا
لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ
وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ وَتَرَكْنَا
عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ۔ سَلٰمٌ
عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۔

پھر جب ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ دونوں
اللہ کے آگے جھک گئے اور ابراہیمؑ
نے اسماعیل کو ذبح کرنے کے لئے ماتھے
کے بل گرا دیا تو ہم نے پکارا کہ اے ابراہیم
بس کرو تم نے اپنے خواب کو سچا کر
دکھایا ۔ ہم ایسا ہی نیک بندوں کو
ان کے ایثار نفس اور فدویت نفس و
جان کا بدلہ دیا کرتے ہیں ۔ بیشک
یہ ایک نہایت کھلی ہوئی ظاہری آزمائش
تھی اور ذبح اسماعیل کے فدیے میں ہم نے ایک بہت بڑی قربانی (یعنی سنت
ابراہیمی کی یادگار میں تا قیامت جاری رہنے والی قربانی) دے دی
اور تمام آنے والی اُمتوں میں اسی واقعہ عظیمہ کے ذکر کو قائم کردیا ۔ پس سلام
ہو راہِ الٰہی میں اپنی قربانی کرنے والے ابراہیم خلیل پر !

ٹھیک اب سے پانچ ہزار دو سو تینتالیس برس پیشتر دُنیا کے ایک گوشے
میں کیسا عجیب و غریب انقلاب ہو رہا تھا - ایک ہولناک اور وحشت انگیز
بیابان ریگ زار تھا۔ جس کی مہلک ریگ اور خشک سرزمین میں ہر طرف
موت و ہلاکت پھیلی ہوئی تھی، ایک یکسر "وادی غیر ذی زرع[1]" تھی۔ جس کی
سطح بے نمو پر زندگی کی سبزی و شگفتگی کا نام و نشان تک نہ تھا، لیکن اب

---

[1] یعنی ایسی سرزمین جہاں زراعت و فلاحت کا نام و نشان نہیں۔ حضرت
ابراہیمؑ نے اپنی دعا میں فرمایا تھا کہ "ربنا انی اسکنت من ذریتی بواد غیر ذی زرع
عند بیتک المحرم" یعنی الٰہی میں نے اس بیابان مکہ میں اپنی اولاد لاکر بسائی ہے۔
جہاں زراعت کا نام و نشان نہیں، پس "غیر ذی زرع" اس آیت سے ماخوذ اور اس کی طرف اشارہ ہے)

ربّ السموات والارض کے دو مخلص بندے تھے جنہوں نے انسانی زندگی کے لئے اِس بیابانِ وحشت کے لئے، فلاحت وزراعت کے لئے اسی سرزمینِ خشک سال کو، اور خدائے واحد کی پرستش وعبادت کے لئے اس صحرائی قربان گاہ کو منتخب کیا، اُن کے چاروں طرف صحرائی وحشت تھا۔ مگر اُن کے اوپر وہ خدائے حکیم وقدیر تھا۔ جو آبادیوں کا بخشنے والا، اور زمینوں کی وراثت تقسیم کرنے والا ہے، اُن کے ہاتھ میں پتھروں کے ٹکڑے تھے، جن کو ایک دیوار کی صورت میں جمع کرتے جاتے تھے اور زبان پر دعائیں تھیں، جو ادھر زبانوں سے نکل رہی تھیں اور ادھر قوموں اور ملکوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہو رہا تھا

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَا اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۔ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ

الہیٰ! ہمارے ہاتھ تیری پرستش اور تیرے جلال وقدوسیت کے نام پر جو کچھ کر رہے ہیں۔ اس کو قبول کر لے۔ بے شک تو ہی دعاؤں کا سننے والا اور نیتوں کا دیکھنے والا ہے الہیٰ! ہم کو اپنا مسلم اور اطاعت شعار بنا۔ اور پھر ہماری نسل میں سے بھی ایک ایسی ہی اُمت پیدا کر جو ہماری طرح

اٰیٰاتِکَ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ
وَالْحِکْمَۃَ وَیُزَکِّیْھِمْ
اِنَّکَ اَنْتَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ

مسلم و مومن ہو۔ الہٰی! ہم کو اپنی عبادت
و بندگی کے مقبول طریقے سوجھا دے
اور ہمارے قصوروں سے درگزر کر
کہ تو ہی بڑا درگذر کرنے والا اور تو ہی اپنے عاجز بندوں پر مہربان ہے۔ الہٰی ہماری اس دُعا کو بھی ان گھڑیوں میں قبول کر لے۔ کہ جو قوم ہماری نسل سے پیدا ہو۔ ان میں اپنا ایک ایسا برگزیدہ رسول بھیجیو۔ جو اُن کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے۔ علم و حکمت کی تعلیم دے اور ان کے نفوس و قلوب کی اصلاح کرے۔ الہٰی۔ ان تمام باتوں کا تجھی کو اختیار ہے اور تیری ہی تدبیر اصلی تدبیر اور تیری حکمت اصلی حکمت ہے۔

اللہ اکبر۔ وہ کیا وقت تھا! جبکہ صدیوں اور ہزاروں برسوں کا فیصلہ چند لمحوں اور منٹوں کے اندر ہو گیا۔

اللہ اکبر۔ اللہ اکبر۔ لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر۔ اللہ اکبر ولللہ الحمد۔

یہ دُعائیں ان زبانوں سے نکل رہی تھیں۔ جن میں سے ایک راہِ الہٰی میں اپنے جذبات وارادے کی قربانی کر چکا تھا اور دوسرا اپنے جان و نفس کی۔ دونوں نے اپنی محبوب ترین متاعوں کو راہِ الہٰی میں لٹا دیا تھا۔ ایک نے اپنے فرزند عزیز کو اور دوسرے نے اپنی جانِ عزیز کو۔ دونوں

مجاہد فی سبیل اللہ تھے اور اس لئے دونوں "مسلم" تھے۔ خدا نے ان دونوں کی دعاؤں کو قبول کر لیا اور اس طرح قبول کیا کہ دنیا کے پانچ ہزار برس کے حوادث و انقلابات بھی اُن کی مقبولیت کی صداقت کو دھبہ نہ لگا سکے۔ وہ چند پتھروں سے چنی ہوئی چاردیواری، جس کے چاروں طرف انسانی ہستی کی کوئی علامت نہ تھی، کروڑوں انسانوں کا پرستش گاہ اور قبلہ وجوہ بنی اور خدا کے جلال و قدوسیت نے تمام عالم میں صرف ان کی چھت کو اپنا نشیمن بنایا۔ داؤد اور سلیمان کا وہ عظیم الشان ہیکل، جس کو ہزاروں انسانوں کی سالہا سال کی محنت و مشقت نے لمبے لمبے ستونوں اور گنبدوں کا شہر بنا دیا تھا۔ چند صدیوں تک بھی زندہ نہ رہ سکا اور وحشی حملہ آوروں نے بارہا اس کی عظیم البُنیتہ دیواروں کو غبار بنا کر اُڑا دیا، لیکن چند پتھروں سے چُنی ہوئی اس چاردیواری کے گرد دعائے ابراہیمی نے ایک ایسا آہنی حصار کھینچ دیا تھا کہ پانچ ہزار برس کے اندر انقلابات ارضیہ و سماویہ نے سمندروں کو جنگل اور انسانی آبادیوں کو سمندروں کے طوفانوں کی صورت میں بدل دیا۔ لیکن آج تک اس کی بنیادوں کو کوئی حادثہ اور کوئی مادی قوت صدمہ نہ پہنچا سکی، یہاں تک کہ تاریخ عالم میں وہی ایک سرزمین ہے جس کی نسبت تاریخ دعویٰ کر سکتی ہے کہ اس کی مقدس و محترم خاک آج تک غیر قوموں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے محفوظ و مصئون ہے۔

اَوَ لَمْ یَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا — کیا ہماری اس قدرت کی نشانی کو

حَرَمًا اٰمِنًا وَّ یُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ اَفَبِالْبَاطِلِ یُؤْمِنُوْنَ وَ بِنِعْمَةِ اللّٰهِ یَكْفُرُوْنَ

لوگ نہیں دیکھتے کہ ہم نے حرم کو (جو ایک غیر معروف وبے رونق خطہ تھا) امن اور حفاظت کا گھر بنادیا۔ اور ایک عالم نے اس کے گرد ہجوم کیا۔ پھر کیا لوگ باطل پر ایمان لاتے اور اللہ کی نعمتوں کو جھٹلاتے ہیں؟

اور اگر کسی قوم نے اِس کی عزت واحترام کو مٹانا چاہا تو خدائے قدوس کے دستِ کبریائی نے خود اِس قوم کو صفحۂ ہستی سے مٹا دیا۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ

اے پیغمبرؐ! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ تمہارے پروردگار نے اُس لشکر کے ساتھ کیا سلوک کیا۔ جو ہاتھیوں کا ایک غول لیکر مکّہ پر حملہ آور ہوا تھا؟ کیا خدا نے اُن کے تمام داؤ غلط نہیں کردیئے؟ اور ان پر عذاب کی نحوستوں کے غول نازل نہیں کئے جنہوں نے ان کو سخت بربادی میں مبتلا کردیا جو ان کے لئے لکھ دی گئی تھی یہاں تک

کہ پامال شدہ گھاس کی طرح تباہ ہو گئے۔

یہ اُسی دُعا کے پہلے ٹکڑے کی قبولیت تھی۔ باقی دو التجاؤں کو جس طرح خدا تعالے نے قبولیت بخشی اس کی صداقت بھی اِس بیت تمثیل کی صداقت سے کم نہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى	بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا
الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ	احسان کیا کہ (دعائے ابراہیمی
فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ	کو قبول فرماکر) انہی میں سے ان
اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ	کی طرف اپنا رسول بھیجا جو ان
اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ	کو احکام پڑھ کر سناتا ہے۔ اُن
وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے۔ اور ان
وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا	کو علم و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ حالانکہ
مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ	اس سے پہلے وہ سخت جہل و گمراہی
مُّبِيْنٍ ۔	میں مبتلا تھے۔

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ ۔

قرآنِ کریم میں ایک بڑا حصہ انبیائے سابقین کے قصص و احوال کا ہے۔ اس کا عام اندازِ بیان یہ ہے کہ وہ پہلے ایک خاص تعلیم پیش کرتا ہے اور پھر اس تعلیم کی صداقت کے لئے اُمم گذشتہ اور اعمال انبیائے سابقہ کے حالات

و واقعات سے ایک خطابی استدلال کرتا ہے، تاکہ اُمّتِ مرحومہ کے سامنے تعلیم اور اس کے عملی نمونے اور نتائج دونوں موجود ہو جائیں،

لیکن تمام قرآن میں اگر مسلمانوں کے سامنے کوئی کامل زندگی اور کسی زندگی کے ازسرتا پا اعمال بطور نمونے کے پیش کئے گئے ہیں۔ اور ان کے اتباع کی دعوت دی گئی ہے، تو وہ صرف دو نمونے ہیں، خود شریعتِ اسلامیہ کے داعی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نسبت (سورۂ احزاب) میں فرمایا کہ،

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا	بے شک رسول اللہ کی زندگی میں تمہارے لئے ذکر اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے ہو اور کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرنے والے ہو، پیروی واتباع کے واسطے ایک بہترین نمونہ ہے۔

اور پھر (سورۂ ممتحنہ) میں ملّتِ حنیفی کے داعیٔ اوّل حضرت ابراہیم خلیل علی نبینا وعلیہ السلام کی نسبت ارشاد ہوا۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْ إِبْرَاهِيْمَ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ۔	بے شک تمہارے لئے ایک بہترین نمونۂ عمل حضرت ابراہیم اور اُن کے ساتھیوں کے اعمال زندگی میں ہے

پھر اسی رکوع میں حضرت ابراہیم اور اُن کے ساتھیوں کی تعلیم کی تشریح کرکے مکرر کہا کہ:۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيهِمْ "أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" لِّمَن كَانَ يَرْجُوا اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ وَمَن يَتَوَلَّ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ۔

بے شک تمہارے لئے کہ اللہ اور یوم آخرت سے ڈرتے ہو، ان لوگوں کی زندگی میں ایک بہترین نمونہ عمل ہے۔ اور جو شخص اس کی طرف سے منہ موڑے تو اللہ تو انسانوں کے اعمال کا کچھ محتاج نہیں ہے۔

میں نے ہمیشہ اس امر پر غور کیا ہے کہ:۔

۱۔ تمام قرآن کریم میں بیسیوں انبیائے سابقین کے حالات واعمال بیان کئے گئے ہیں، لیکن کسی کی تمام تر زندگی کو بطور ایک نمونے کے مسلمانوں کے سامنے پیش نہیں کیا ہے، اِلّا حضرت ابراہیمؑ کی۔

۲۔ تمام قرآن میں "اسوہ حسنہ" کا لفظ صرف تین مقامات میں آیا ہے اول سورۂ احزاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت، اور پھر سورۂ ممتحنہ میں دو مرتبہ حضرت ابراہیمؑ کی نسبت، اس کی علت کیا ہے۔

۳۔ سورۂ احزاب اور سورۂ ممتحنہ، دونوں سورتیں زیادہ تر احکام جہاد و قتال فی سبیل اللہ، اور بعض مقامات کے نتائج و ورود، ابتلاء و آزمائش و عجائبات

نصرت الٰہیہ کے بیان سے مملو ہیں، پھر یہ دونوں آیتیں جن رکوعوں میں آئی ہیں، وہ بھی تمام تر ذکر جہاد پر مبنی ہیں، ضرور ہے کہ اِس میں بھی کوئی علت ہو۔

۴۔ دونوں مقامات میں پوری مماثلت، حتیٰ کہ اشتراک جزئیات بیان بھی موجود ہے۔ سورۂ احزاب میں اس آیت کا وہ موقعہ ہے، جہاں جنگ احزاب یا جنگ خندق کے واقعات کا تذکرہ کیا ہے۔ اور زیادہ تر اُن منافقین اور ضعیف القلب اشخاص کا حال بیان کیا ہے، جو اپنی تین ہزار کی جمعیت سے مقابلہ میں حملہ آوروں کی بارہ ہزار مسلح اور متحدہ قوت دیکھ کر گھبرا اٹھے تھے پھر اُس نصرتِ الٰہی کا حوالہ دیا ہے، جس نے محصورین کو کامیاب کیا اور تمام حملہ آور ناکام وخاسر واپس ہو گئے۔

هُنَالِكَ ابْتُلِيَ الْمُؤْمِنُونَ وَزُلْزِلُوا زِلْزَالًا شَدِيدًا۔

بعینہٖ یہی حال سورۂ ممتحنہ کے پہلے رکوع کا ہے، فتح مکہ سے پیشتر جب آنحضرت نے چڑھائی کا ارادہ کیا، تو حاطب بن ابی بلتعہ نامی ایک صحابی تھے۔ جن کے اہل وعیال مکہ میں موجود تھے۔ انہوں نے پوشیدہ طور پر اُن کو اطلاع دے دی کہ تحفظ کا انتظام کر رکھیں۔ وحی الٰہی سے یہ حال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف ہو گیا اور آدمی دوڑا کر وہ خط راہ سے واپس بلا لیا۔ اس پر یہ سورۃ نازل ہوئی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا   مسلمانو! ان کافروں اور دشمنان توحید

تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ ۔

کو اپنا دوست نہ بناؤ ۔ جو ہمارے اور تمہارے دونوں کے دشمن ہیں (یہ کیسی بات ہے کہ) تم ان سے نامہ و پیام جاری رکھتے ہو ؟ حالانکہ تمہارے پاس جو حق و صداقت اللہ کی طرف سے آئی وہ اس سے انکار کر چکے ہیں ؟

حضرت ابراہیمؑ اور اُن کے ساتھیوں کے "اسوۂ حسنہ" کی طرف اسی رکوع میں توجہ دلائی گئی ہے

پھر آیات متعلق حرب و قتال و تشویق جہاد فی سبیل اللہ میں اس "اسوۂ حسنہ" پر توجہ دلانے کی کیا ضرورت تھی ۔ ؟

(۱)

اصل یہ ہے کہ قرآن کریم اسلام کی جس حقیقت کو دُنیا کے آگے پیش کرنا چاہتا تھا اس کے لحاظ سے اگر کوئی زندگی "اسوۂ حسنہ" ہوسکتی تھی۔ تو وہ صرف حضرت ابراہیم ہی کی زندگی تھی۔ اسلام ایک صداقت ہے اور اس لئے دُنیا میں اس وقت سے موجود ہے، جس وقت سے کہا جا سکتا ہے کہ دنیا میں صداقت ہے۔ لیکن اس صداقت مبین کو ایک شریعت الٰہیہ کی صورت میں سب سے پہلے حضرت ابراہیم ہی نے پیش کیا تھا، اور یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے ہر جگہ ان کو ملتِ حنیفی کے اوّلین واعظ کی حیثیت سے پیش کیا ہے[1] اور ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تبلائی ہے کہ

إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۚ قَالَ أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

جب حضرت ابراہیمؑ سے ان کے پروردگار نے کہا کہ (اپنے فرماں بردار) ہو جاؤ تو انہوں نے

کہا کہ میں اسلام لایا تمام جہانوں کے پروردگار کے لئے ۔

چونکہ حضرت ابراہیم اسلام کے پہلے داعی تھے، اس لئے ان کا وجود یکسر پیکر اسلام تھا اور اپنے ہر عمل حیات کے اندر اسلام کی حقیقت کا ایک عملی نمونہ رکھتا تھا، وہ اسلام کے واعظ تھے اور واعظ کے لئے اولین شئے یہ تھی کہ تعلیم کے ساتھ خود اپنی زندگی کا عملی نمونہ بھی پیش کردے، اور جن حقیقتوں کی طرف دنیا کو دعوت دیتا ہے، اُن کو سب سے پہلے اپنے اوپر طاری کردے۔ حضرت ابراہیم نے اُن حقائق کو اپنے اوپر طاری کیا اسی لئے اُن کا ہر عمل صدائے اسلام تھا، اور وہی پیروانِ اسلام کے لئے عملی نمونہ یا "اسوۂ حسنہ" ہو سکتا تھا، اور یہی سبب ہے کہ خدائے تعالے نے اُن کی زندگی کے تمام اعمال ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیئے اور اُن کے ذکر کو بقائے دوام عطا فرمایا۔ دنیا کے بڑے بڑے کشورستانوں عظیم الشان ذاتوں اور خشکیوں اور سمندروں پر حکمرانی کرنے والی قوموں کو ہم آثارِ قدیمہ کے کھنڈروں، بوسیدہ قبروں، قومی روایتوں اور تاریخ کے کہنہ اوراق میں ضرور دیکھ سکتے ہیں، مگر تمام مجمع اوّلین و آخرین میں ایک انسانی ہستی بھی ایسی نہیں مل سکتی، جس کے اعمال حیات، صفحوں اور مٹی کے ڈھیروں میں نہیں، بلکہ کروڑوں انسانوں کے اعمال کے اندر سے اپنی حیات کا ثبوت دے سکتے ہوں۔ ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو دُنیا کے سامنے "اسوۂ ابراہیمی" کی لازوال زندگی کا عجیب منظر ہوتا ہے، جبکہ تاریخ کئی ہزار برس آگے بڑھ کر

وٹھتی ہے، "تاکہ اسلام کے داعیِ اوّل کی زندگی کو ایک مرتبہ پھر دُہرا دے۔ لاکھوں انسانوں کا مجمع ہوتا ہے جن میں ہر وجود پیکرِ ابراہیمؑ بن جاتا ہے، اور "مقامِ خلت" کی سلطنت تعیّن اور تشخّص کو فنا کرکے اس پورے مجمع کو ایک "ابراہیم خلیل" کی صُورت میں نمایاں کر دیتی ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُمْ مِنْ	اور ہم نے حضرت ابراہیمؑ اور اُن کی
رَّحْمَتِنَا وَجَعَلْنَا	اولاد کو اپنی رحمت میں سے بڑا حصّہ دیا
لَهُمْ لِسَانَ صِدْقٍ	اور اُن کے لئے اعلیٰ واشرف (طریق)
عَلِيًّا۔	ذکرِ خیر دُنیا میں باقی رکھا۔

آج ذی الحج کی نویں تاریخ ہے، جب کہ یہ سطور قلم سے نکل رہے ہیں چشمِ تصوّر سے دیکھئے تو آپ کے سامنے بندگانِ مخلصین کا ایک ٹھہرا ہوا مجمع ہے، لاکھوں انسان ایک ہی لباس اور ایک ہی صدا کے ساتھ ایک ہی کے لئے دوڑ رہے ہیں، بے شک "ابراہیم خلیل" کا وجود تنہا دُنیا میں باقی نہیں رہا۔ لیکن ان لاکھوں عاشقانِ الٰہی میں سے ہر عاشق اُس عاشقِ اوّل کے فیضانِ عشق سے مستفیض نہیں ہے، اگر ہے تو یقین کیجئے کہ "خلیل اللہ" آج بھی زندہ ہے، اور ہمیشہ زندہ رہے گا، جب کہ میدانِ حج میں لاکھوں انسانوں کی زبانوں سے صدائے لبّیک! لبیک اللھم لبیک نکلتی ہے، تو اس ایک ہی ابراہیم خلیل کی صدا ہوتی ہے، جس نے اب سے پانچ ہزار برس پیشتر اپنے دوست کی

صدائے یا عبدی کے جواب میں عاشقانہ محویت کے ساتھ لبیک کا نعرہ لگایا تھا، وہ ایک ہی وجود کے اندر کب محدود تھا کہ فنا ہو جاتا؟ وہ تو اپنے اندر ایک پوری اُمت رکھتا تھا، اس لئے آج بھی اپنی اُمت کی صورت میں موجود ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔

اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً	بے شک ابراہیم (گویا) ایک پوری
قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا وَّ لَمْ	اطاعت شعار اُمت تھا۔ اور ایک
يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۔	ہی خدا کا ہو رہا تھا۔

لیس للہ بمستنکر

ان یجمع العالم فی واحد

(۲)

یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی ہر بات "اسلام" تھی، حقیقت اسلامی میں ان کا وجود اِس طرح فنا ہو گیا تھا کہ خود اُن کی کوئی ہستی باقی نہیں رہی تھی جبکہ تاروں کی عجیب و غریب روشنی اُن کے سامنے آئی، چاند کی دلفریبی نے اُن کو آزمانا چاہا اور سورج اپنی سطوت و عظمت سے چمکا تاکہ ان کی فطرت کو مرعوب کر سکے تو "اسلام" ہی تھا، جس نے اندر سے صدا دی کہ "انی لا احب الافلین" (میں فنا پذیر ہستیوں کو دوست نہیں رکھتا۔)

اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ	میں ہر طرف سے کٹ کر صرف
لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ	اس ایک ہی ذات کا ہو گیا ہوں
وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَآ	جس نے زمین اور آسمان کو پیدا
اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ	کیا، الحمد للہ کہ میں مشرکوں سے

نہیں ہوں۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْ اِبْرٰهِيْمَ	اور اس طرح ہم نے ابراہیم کو آسمان
مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ	و زمین کے مناظر و عجائب دکھلائے
وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ	تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں
مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۔	سے ہو جائے۔

انہوں نے جب آنکھ کھولی، تو اُن کے چاروں طرف بُت پرستی کے مناظر تھے۔ انہوں نے خود اپنے گھر کے اندر جس کسی کو دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں سنگ تراشی کے اوزار اور بُتوں کے ڈھانچے تھے، وہ کالڈیا کے بازاروں میں پھرے مگر جس طرف دیکھا بتوں کے آگے جھکے ہوئے سر تھے اور جس طرف کان لگایا خدا فراموشی کی صدائیں آرہی تھیں، پھر وہ کونسی چیز تھی، جس نے تمام ان چیزوں سے ہٹا کر جو آنکھوں سے دیکھی اور کانوں سے سُنی جاتی ہیں۔ ان کے دل میں ایک اَن دیکھے محبوب کے عشق کی لگن لگا دی اور ایک اَن سُنے نغمے کی تلاش میں ان کے سامعہ کو آوارہ کر دیا؟ اُن کے سامنے تو بتوں کی قطاریں تھیں، جن کو ان کی آنکھیں دیکھتی تھیں، پھر وہ کون تھا، جو ان کے اندر بیٹھا خدائے قدوس کو دیکھ رہا تھا اور اس قدرتی جوش و قوت کے ساتھ، جو کسی بلندی سے گرنے والے آبشار، یا کسی زمین سے اُبلتے ہوئے چشمے میں ہوتا ہے۔ اُن کی زبان سے فاطر السمٰوات

والارض کی یہ شہادت دے رہا تھا؛

اَلَّذِیۡ خَلَقَنِیۡ فَھُوَ	وہ جس نے مجھ کو پیدا کیا اور پھر ہدایت
یَھۡدِیۡنِ وَالَّذِیۡ	کی راہیں کھول دیں وہ کہ بھوکا ہوں۔
ھُوَ یُطۡعِمُنِیۡ وَیَسۡقِیۡنِ	تو کھلاتا اور پیاسا ہوتا ہوں تو پلاتا ہے
وَاِذَا مَرِضۡتُ فَھُوَ	اور وہ، کہ جب اپنی بداعمالیوں سے
یَشۡفِیۡنِ۔ وَالَّذِیۡ	بیمار پڑتا ہوں، تو اپنی رحمت سے
یُمِیۡتُنِیۡ ثُمَّ یُحۡیِیۡنِ	شفا دے دیتا ہے۔ جو موت کے
وَالَّذِیۡ اَطۡمَعُ اَنۡ	بعد حیات بخشے گا۔ اور جس کی رحمت
یَّغۡفِرَ لِیۡ خَطِیۡٓئَتِیۡ	سے اُمید رکھتا ہوں کہ قیامت
یَوۡمَ الدِّیۡنِ،	کے دن میری خطاؤں سے درگزر
	کرے گا۔

اور پھر یہ کیا تھا کہ جب کہ اُن کا سنگ تراش چچا پتھروں سے پرستش کی صورتیں بناتا تھا، تو بے اختیار اُن کی زبان سے نکلتا تھا کہ انّنی براءٌ مِمّا تعبدون۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰھِیۡمُ لِاَبِیۡهِ	اور جب ابراہیم نے اپنے باپ
وَقَوۡمِهٖۤ اِنَّنِیۡ بَرَآءٌ	اور اپنی قوم سے کہا کہ تم جن بُت
مِّمَّا تَعۡبُدُوۡنَ اِلَّا الَّذِیۡ	پرستیوں میں مبتلا ہو، مجھے اس سے

فَطَرَنِیْ فَاِنَّہٗ سَیَہْدِیْنِ   کوئی سروکار نہیں ۔ البتہ مجھ کو اس
ن دیکھی ذات سے سروکار ہے ۔جس نے میری خلقت بنائی اور یقین ہے کہ وہی
ہ پر اپنی راہ کھول دے گا۔

دراصل یہ وہی "حقیقت اسلامیہ" تھی جس نے اُن کے وجود کو آنے والی
متوں کے لئے "اسوۂ حسنہ" بنا دیا تھا ۔ اور جس کی وصیت انہوں نے
سحاق اور اسمٰعیل (علیہما السّلام) کو کی ۔ اور پھر انہوں نے یعقوب کو اور
ں کے بعد نسلاً بعد نسل سلسلۂ ابراہیمی میں منتقل ہوتی رہی :۔

وَوَصّٰی بِهَآ اِبْرٰهِیْمُ   اور یہی اسلام تھا، جس کی وصیت
بَنِیْهِ وَیَعْقُوْبُ،   ابراہیمؑ اپنی اولاد کو کر گئے اور پھر
یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى   یعقوبؑ کو بھی، کہ اے فرزند! اللہ
لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا   نے تم کو اس دین سے ممتاز فرمایا
تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ   پس تم زندگی بھر اس کی تعلیم دینا
مُّسْلِمُوْنَ ۔   اور جب مرنا تو اسی طریقہ پر مرنا۔

یہی حقیقت وہ "روحِ اعظم" تھی، جو آدم کے کالبد میں پھونکی گئی

وَنَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ   اور خدا نے آدم میں اپنی "روح" پھونکی

اور یہی وہ روحِ الٰہی ہے، جو شریعت ابراہیمی سے منسوب ہو کر
سلسلۂ ابراہیمی کی آخری اُمت، یعنی امتِ مرحومہ میں ظہور کرنے والی تھی۔

اور جس کے یوم ظہور کی ایک رات، ایام الٰہیہ کے گذشتہ ہزار مہینوں پر افضلیت رکھتی تھی۔

اِنَّآ اَنۡزَلۡنٰہُ فِیۡ لَیۡلَۃِ	ہم نے اسلام کو بصورت قرآن
الۡقَدۡرِ، وَمَآ اَدۡرٰىكَ	لیلۃ القدر میں نازل کیا، اور تم
مَا لَیۡلَۃُ الۡقَدۡرِ، لَیۡلَۃُ	جانتے ہو کہ لیلۃ القدر کیا ہے؟ وہ
الۡقَدۡرِ خَیۡرٌ مِّنۡ	ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں
اَلۡفِ شَہۡرٍ، تَنَزَّلُ	پر افضلیت رکھتی ہے، اس رات
الۡمَلٰٓئِکَۃُ وَالرُّوۡحُ فِیۡہَا	ملائکہ اور " روح " کا نزول ہوتا ہے
بِاِذۡنِ رَبِّہِمۡ مِّنۡ کُلِّ	جو اپنے پروردگار کے حکم سے (نظم
اَمۡرٍ سَلٰمٌ ہِیَ حَتّٰی	روحانی) کے تمام امور کے لئے آتے
مَطۡلَعِ الۡفَجۡرِ ۔	ہیں ۔ وہ رات امن اور سلامتی کی
	رات ہے طلوع صبح تک ۔

اور یہی وہ حقیقت تھی جو اُن تمام حقیقتوں سے جو یہودیت یا مسیحیت سے تعبیر کی جا سکتی ہیں ۔ اعلیٰ و ارفع تھی۔ کیونکہ وہ تمام شاخیں اسی حقیقت الحقائق کی جڑ سے نکلی تھیں، پس "اصل" کی موجودگی میں "فرع" بے اثر ہے، اور "کل" کے سامنے "جزء" بے حقیقت ۔ یہی سبب ہے کہ جب "اصل و کل" کی تکمیل کا آخری روز ہوا تو کہا گیا کہ:۔

وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ،	یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ تاکہ ہدایت پاؤ لیکن ان سے کہدو کہ نہیں ، بلکہ صرف ملتِ ابراہیمی ہی میں تمام ہدایتوں کی حقیقت ہے اور وہ تمہاری طرح مشرکوں میں سے نہ تھا ۔

اور یہی وہ انسان کی "فطرتِ اصلی" ہے ، جس کو "اسلام" کے سوا قرآنِ کریم نے "قلب سلیم" کے لقب سے بھی یاد کیا ہے یعنی قلب انسانی کی وہ بے میل حالت ، جو خارجی اثرات ضلالت سے بالکل محفوظ ہو ، یا فطرت اصلی کا وہ ذوق صحیح ، جس کا ذائقہ کسی عارضی بیماری کے اثر سے بگڑ نہ گیا ہو ، کیونکہ انسان کے اندر جو کچھ ہے ، وہ "اسلام" ہے اور کفر جب آتا ہے تو باہر سے آتا ہے ۔ یہی سبب ہے کہ حضرت ابراہیم کی نسبت تصریح کر دی کہ :-

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ (جب حضرت ابراہیم اپنے رب کی طرف "قلب سلیم" کے ساتھ متنقع ہوئے) اور پھر سورہ شعراکے چوتھے رکوع میں حضرت ابراہیم نے آذر کی طرف اشارہ کرتے دعا مانگی ہے تو ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ہے کہ :-

يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَّ لَا بَنُوْنَ، اِلَّا مَنْ اَتَى اللّٰهَ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ۔

وہ آخری روز عدالت، جبکہ نہ تو مال و دولت کام دیں گے اور نہ اہل و عیال کام آئیں گے (یعنی کوئی مادی شے مفید نہ ہوگی) اگر صرف وہ کامیاب ہوگا جس کے پہلو میں "قلب سلیم" ہے۔

یہی "قلب سلیم" تھا جس پر اجرام سماویہ کے دہش مناظر فتح نہ پا سکے، اور اُس نے ابراہیم کے دل کے اندر فاطر ملکوت السموات والارض کے وجود پر شہادت دی۔

قَالَ بَلْ رَّبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الَّذِیْ فَطَرَهُنَّ وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ۔

ابراہیم نے اپنی قوم کو جواب میں کہا کہ وہ آسمان و زمین کا فاطر جس نے ان کو پیدا کیا، تمہارا بھی پروردگار ہے اور میں اُس کے وجود پر شہادت دیتا ہوں۔

حقیقت اسلامی کی اصلی آزمائش

اور سب سے آخر یہ کہ جب حقیقت اسلامی کی آخری مگر اصلی آزمائش کا وقت آیا تو وہ "اسلام" ہی تھا، جس نے ابراہیم کے ہاتھ میں چھری دی

تاکہ فرزند کو ذبح کرکے محبت ماسوی اللہ کی قربانی کرے، اور "اسلام" ہی تھا، جس نے اسماعیل کی گردن جھکا دی، تاکہ اپنی جان عزیز کو اس کی راہ میں قربان کر دے جبکہ اس نے پوچھا۔

یَا بُنَیَّ اِنِّیۡۤ اَرٰی فِی	اے فرزند عزیز! میں نے خواب میں
الۡمَنَامِ اَنِّیۡۤ اَذۡبَحُکَ	دیکھا ہے کہ گویا تجھے اللہ کے نام پر
فَانۡظُرۡ مَاذَا تَرٰی ؕ	ذبح کر رہا ہوں، پھر تیرے خیال میں
	یہ بات کیسی ہے۔

یہ وجود ابراہیمی کی نہیں، بلکہ "اسلام" ہی کی صدا تھی، اور پھر جب اس کے جواب میں اسماعیل نے کہا کہ:

یٰۤاَبَتِ افۡعَلۡ مَا تُؤۡمَرُ ۫	اے باپ! یہ تو گویا اللہ کی مرضی اور
سَتَجِدُنِیۡۤ اِنۡ شَآءَ اللّٰہُ	اس کے حکم کا اشارہ ہے۔ پس جو اس کا
مِنَ الصّٰبِرِیۡنَ ،	حکم ہے اس کو بلا تامل انجام دیجئے۔ اگر
	اسی خدا کی مرضی ہوئی تو آپ دیکھ لیں گے
	کہ میں صبر کرنے والوں میں سے ہوں گا۔

تو یہ بھی اسماعیل کی نہیں، بلکہ "اسلام" ہی کی صدا تھی، پھر جب باپ نے بیٹے کو مینڈھے کی طرح سختی سے پکڑ کے زمین پر گرا دیا، تو وہ اسلام ہی کا ہاتھ تھا جو ابراہیم کے اندر سے کام کر رہا تھا۔ اور جب بیٹے نے اس شوق و

ذوق کے ساتھ، جو مدتوں کے پیاسے کو آبِ شیریں سے ہوتا ہے، اپنی گردن مضطرب ہو ہو کر چھری سے قریب کرلی، تو وہ حقیقت اسلامی ہی کی محویت کا استیلا تھا، جس نے نفسِ اسماعیل کو فنا کر دیا تھا، اور اسی فنا سے مقامِ ایمان کو بقا ہے۔

سَلٰمٌ عَلٰٓی اِبْرٰهِیْمَ ۝ اِنَّا	پس سلام ہو حقیقت اسلامی کی قربانی
كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ	کرنے والے ابراہیم پر! ہم مقام
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ	احسان تک پہنچنے والوں کو (بقائے دوام)
	کا ایسا ہی بدلہ عطا فرماتے ہیں بے شک
	وہ ہمارے حقیقی بندوں میں سے تھا۔

غافل مرو کہ تا در بیت الحرامِ عشق

صد منزل ست و منزلِ اوّل قیامت است

اللہ! اللہ! اس نیرنگ سازِ ازل کے کاروبارِ محبت کی بوقلمونی کو کیا کہیے کہ اس کے حریمِ محبت کی ساری آرائش دوستوں کے خون کے چھینٹوں اور مضطرب لاشوں کی تڑپ ہی سے ہے۔ دوستوں کو کٹواتا ہے مگر دشمنوں کو مہلت دیتا ہے۔ باپ کے ہاتھ میں چھری دیتا ہے کہ بیٹے کو قتل کرے، اور بیٹے سے کہتا ہے کہ خوش خوش گردن جھکا دے کہ یہاں جان دینا ہی نہیں بلکہ جان دینے کو روزِ عیش و نشاط سمجھنا بھی شرط

ہے۔

آہ! ایں چہ دوستیست کہ سرہائے یک دگر
خویشاں بُریدہ بردہ قاتل نہادہ اند

ابراہیم کے دل میں اپنی محبت کے ساتھ بیٹے کی محبت گوارانہ ہوئی، اور اسماعیل کے پہلو میں اپنے گھر کو دیکھا تو محبت نفس وجان کی پرچھائیں نظر آئی۔

عشق است و ہزار بدگمانی

غیرت الٰہی نے اس کو بھی منظور نہیں کیا، حکم ہوا کہ پہلے محبت کے مکان کو ایک ہی مکین کے لئے خالی کردو، پھر اس طرف نظر اٹھا کر دیکھنا کہ "الغیرۃ من صفات حضرت الربوبیۃ" محبت کی عشق آموزی کا پہلا سبق غیرت ہے اور یہی معنے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے کہ:۔

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔	اللہ تعالیٰ تمہارے گناہوں سے درگزر کر سکتا ہے، مگر اس کو کبھی معاف نہیں کر سکتا کہ تم اس کی محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو۔

سلطان محبت تمام گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔ مگر اس کی عدالت

میں دل کی تقسیم کا کوئی قانون نہیں ہے۔ آپ کا دوست ہزار کج ادائیاں کرے، آپ کا دل محبت پرست اس کی شناعت سے باز نہ آئے گا۔ لیکن آپ اس گوشۂ نظر سے کیونکر درگذر کر سکتے ہیں، جو آپ کی طرف نہیں، بلکہ دوسری جانب تھی؟ آپ کسی کی آنکھوں کی بے مہری کو تو گوارا کر سکتے ہیں۔ لیکن اس خمار کو کیونکر دیکھ سکتے ہیں جو محبت غیر کی شب بیداریوں سے پیدا ہوا ہو؟ اگر کبھی اس کوچے میں گزر ہوا ہے تو اپنے دل سے پوچھ لیجئے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں؟ البتہ اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے مدرسے باہر بھی کچھ سیکھنا ضروری ہے۔

کیں مسئلہ در نسخۂ محمود و ایاز ست

عود الی المقصود

اب میں اپنے اصل مقصد سے بہت قریب آگیا ہوں۔ یہی آخری حالت وہ حقیقت اصلی تھی، جس کو آغاز مضمون سے میں "حقیقت اسلامی" کے لفظ سے تعبیر کرتا آیا ہوں، یہی دعوتِ اسلام کا وہ عملی نمونہ تھا جس نے اسوۂ ابراہیمی کی شکل میں ظہور کیا۔ یہی لفظ "اسلام" کا وہ شاہی معنی تھا۔ جس کے روئے مشہد آرار کو دستِ خلیل اللہ نے بے نقاب کر دیا۔ یہی وہ لیلائے حقیقت تھی، جس کے محمل وصال پر نفس و جان کی قربانیوں کے

پردے پڑے ہوئے تھے۔ لیکن اس نجد خلت کے تاجدار محبت کے لئے مانع نہ ہو سکے اور عشاق حقیقت کے لئے اس کی جلوہ فروشیوں کو عام کر دیا۔ اور یہی وہ اصل اسلامی ہے۔ جس کو قرآن کریم اپنی اصطلاح میں "جہاد فی سبیل اللہ" سے تعبیر کرتا ہے اور کبھی "اسلام" کی جگہ "جہاد" اور کبھی "مسلم" کی جگہ "مجاہد" بولتا ہے اور پھر یہی وہ "اسوۂ حسنہ" ہے جس کی طرف وہ تمام پیروانِ ملتِ حنیفی کو دعوت دیتا ہے اور کہتا ہے کہ :۔

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ۔	بے شک حضرت ابراہیم اور ان کے ساتھیوں میں پیروی و اتباع کے لئے ایک بہترین نصب العین اور نمونہ زندگی ہے۔

پس قسم ہے اُس خدائے اسلام کی جس نے ابراہیم اور اسماعیل کی قربانی کو برکت بخشی، اور اس کو ملتِ حنیفی کے لئے "اسوۂ حسنہ" بنایا (وانہ لقسم لو تعلمون) کہ "اسلام" اور "جہاد" ایک ہی حقیقت کے دو نام، اور ایک ہی معنے کے لئے دو مرادف الفاظ ہیں اور "اسلام" کے معنی "جہاد" ہیں اور "جہاد" کے معنی اسلام۔ پس کوئی ہستی "مسلم" ہو نہیں سکتی۔ جب تک کہ مجاہد نہ ہو اور کوئی مجاہد ہو نہیں سکتا جب تک کہ مسلم نہ ہو "اسلام" کی لذت اُس بدبخت کے لئے حرام ہے، جس کا ذوقِ ایمانی لذتِ

جہاد سے محروم ہوا ور زمین پر گو اس نے اپنا نام مسلم رکھا ہو لیکن اس کو کہہ دو کہ آسمانوں میں اس کا شمار کفر کے زمرے میں ہے۔

فَالْجِهَادُ ! اَلْجِهَادُ ! اَلْجِهَادُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ! اَيُّهَا الْمُسْلِمُوْنَ الْغٰفِلُوْنَ عَنْ حَقِيْقَةِ الْاِسْلَامِ وَالْجِهَادِ ! وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ! اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ ! اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ !

جب کہ ایک "دنیا" لفظ جہاد "کی دہشت سے کانپ رہی ہے۔ جب کہ عالم مسیحی کی نظروں میں یہ لفظ ایک عفریت مہیب یا ایک حربہ بے امان ہے جبکہ اسلام کے مدعیان حمایت نصف صدی سے کوشش کر رہے ہیں کہ کفر کی رضا کے لئے اسلام کو مجبور کریں کہ اس لفظ کو لغت سے نکال دیں، جب کہ بظاہر انہوں نے کفر و اسلام کے درمیان ایک راضی نامہ لکھ دیا کہ اسلام لفظِ جہاد کو بھلا دیتا ہے۔ کفر اپنے توحش کو بھول جائے اور جب آج کل کے ملحدین مسلمین اور متفرنجین مفسدین کا ایک "حزب الشیطان" بے چین ہے کہ بس چلے تو یورپ سے درجۂ تقرب عبودیت حاصل کرنے کے لئے (" تحریف الکلم عن مواضعہ" کے بعد) سرے سے اِس لفظ کو قرآن سے نکال دے تو پھر یہ کیا ہے کہ میں نہ صرف "جہاد" کو ایک رکنِ اسلامی، ایک فرض دینی، ایک حکم

شریعت تبلاتا ہوں، بلکہ صاف صاف کہتا ہوں کہ اسلام کی حقیقت ہی جہاد ہے ۔ دونوں لازم و ملزوم ہیں ۔ اسلام سے اگر "جہاد" کو الگ کر لیا جائے تو وہ ایک لفظ ہوگا جس میں معنی نہیں ہے ۔ ایک اسم ہوگا، جس کا مسمیٰ نہیں ہے۔ ایک قشر محض ہوگا جس سے مغز نکال لیا گیا ہے۔ پھر کیا میں ان تمام اعمال مصلین متفرنجین کو غارت کرنا چاہتا ہوں جو انہوں نے تطبیق بین التوحید والتثلیث یا اسلام اور مسیحیت کے عقد اتحاد کے لئے انجام دی ہیں؟ وہ اصلاح جدید کی شاندار عمارتیں، جو مغربی تہذیب و شائستگی کی ارضِ مقدس پر کھڑی کی گئی ہیں ۔کیا دعوتِ جہاد دے کے جنود مجاہدین کو بلاتا ہوں کہ اپنے گھوڑوں کے سموں سے انہیں پامال کردیں؟ اور پھر کیا چاہتا ہوں کہ اسلام کی زندگی کا افق جو حرارتِ حیات کی گرد سے پاک کر دیا گیا تھا، مجاہدین کی اڑائی ہوئی خاک سے پھر غبار آلود ہوجائے۔؟

ہاں! اے غارتگرانِ حقیقت اسلامی! اے دزدان متاعِ ایمانی! اور اے مفسدین ملت و مدعیان اصلاح! ہاں میں ایسا ہی چاہتا ہوں میری آنکھیں ایسا ہی دیکھنا چاہتی ہیں، میرا دل ایسے ہی وقت کے لئے بے قرار ہے، خدائے ابراہیم و محمد (علیہما السلام) کی شریعت ایسا چاہتی ہے قرآن کریم اس کو حقیقت اسلامی کہتا ہے۔ وہ اِس اسوۂ حسنہ کی طرف سے اپنے پیروؤں کو بلاتا ہے۔ اسلام کا اعتقاد اسی کے لئے ہے اس کی تمام

جہاد میں اسی کے لئے ہیں۔ اس کے تمام جسم اعمال کی رُوح یہی شے ہے۔ اور یہی چیز ہے جس کی یاد کو اُس نے ہمیشہ زندہ رکھنا چاہا اور "عید اضحےٰ" کو یوم جشن و مسرّت بنایا۔

پس یہ ہے جس کی طرف میں مسلمانوں کو بُلاتا ہوں، پھر تمہارے پاس کیا ہے جس کی طرف تم ہم کو دعوت دیتے ہو۔ ؟ هل عندكم من علم فتخرجوه لنا۔

(اَتُجَادِلُوْنَنِیْ فِیْٓ اَسْمَآءٍ سَمَّیْتُمُوْهَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّا نَزَّلَ اللّٰہُ بِهَا مِنْ سُلْطَانٍ ؟) اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ :۔

اَمْ یُرِیْدُوْنَ کَیْدًا ؟	یا ان کا ارادہ مکر و فریب پھیلانے
فَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا هُمُ	کا ہے ؟ اگر ایسا ہے تو یاد رکھیں کہ
الْمَکِیْدُوْنَ ، اَمْ لَهُمْ	یہ منکر خود شیطان کے فریب میں پڑے ہیں
اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰہِ ؟ سُبْحٰنَ	یا پھر خدا کے سوا اس کا کوئی اور معبود
اللّٰہِ عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ،	ہے ؟ اگر یہی بات ہے تو یقین کرو کہ اللہ
	کی ذات اُن کے اس شرک سے پاک ہے۔

لیکن "جہاد" سے مقصود کیا ہے ؟ اس کا محل اصلی کیا ہے ؟ کیونکر اسلام کی حقیقت اور جہاد ایک ہے ؟ آغاز مضمون میں جو سوالات کئے گئے تھے، ان کا حل کیونکر ہے ؟ اگرچہ ان میں سے ہر سوال تفصیل طلب ہے، اور

یکے بعد دیگرے صدہا مباحث پر مشتمل، لیکن تاہم آیندہ نمبر کا انتظار کیجئے
کہ چند اشارات عرض کروں۔

حقیقتِ اسلامیہ

سب سے پہلے اِس امر پر غور کرنا چاہیئے کہ اسلام کی وہ کونسی حقیقت تھی جو حضرت ابراہیم کی زندگی پر طاری ہوئی اور جس کو قرآنِ کریم نے امتِ مرحومہ کے لئے "اُسوۂ حسنہ" قرار دیا۔

اسلام کا مادہ لفظ "سلم" ہے۔ جو باختلافِ حرکات مختلف اشکال میں آکر مختلف معنی پیدا کرتا ہے۔ لیکن لغت کہتا ہے۔ کہ "سلم" (بفتحتین) اور "سلام" کے معنی کسی چیز کے سونپ دینے۔ طاعت و انقیاد اور گردن جھکا دینے کے ہیں۔ اس سے "تسلیم" بمعنی سونپ دینے کے اور استسلم (ا ے انقیاد و اطاع) آتا ہے، اور فی الحقیقت لفظ "اسلام" بھی انہی معنی پر مشتمل

ہے قرآنِ کریم میں ان معانی کے شواہد اس کثرت سے ہیں کہ ایک مختصر مضمون میں سب کا استقصا ممکن نہیں، تاہم ایک دو آیتوں پر نظر ڈالئے تو یہ امر بالکل واضح ہوجاتا ہے۔ مثلاً احکام طلاق کی آیات میں ایک موقع پر فرمایا۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ۔	اگر تم چاہو کہ اپنے بچے کو کسی دایا سے دودھ پلواؤ تو اس میں بھی تم پر کچھ گناہ نہیں۔ بشرطیکہ دستور کے مطابق ان کی ماؤں کو جو دینا کیا تھا وہ ان کے "حوالے کردو"

اس آیت میں "سلمتم" حوالہ کر دینے کے معنی میں صاف ہے، اسی طرح یعنی اطاعت و انقیاد و گردن نہادن کے بیسیوں جگہ فرمایا ہے۔

وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا۔	اس آسمان و زمین میں کوئی نہیں جو چار و ناچار دینِ الٰہی کا حکم بردار اور مطیع و منقاد نہ ہو۔
وَقَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا	اور یہ جو عرب کے دیہاتی کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے، تو اُن سے کہہ دو کہ تم ابھی ایمان نہیں لائے۔

(کیونکہ وہ دل کے اعتقادِ کامل کا نام ہے جو تمہیں نصیب نہیں) البتہ یوں

کہو کہ ہم نے اس دین کو مان لیا۔

ہر شئے کی اصل حقیقت وہی ہو سکتی ہے۔ جو اس کے نام کے اندر موجود ہو، دینِ الٰہی کی حقیقت، لفظ اسلام کے معنی میں پوشیدہ ہے، لفظ اسلام کے معنی اطاعت، انقیاد، گردن نہادن، اور کسی چیز کے حوالے کر دینے کے ہیں، پس اسلام کی حقیقت بھی یہی ہے کہ "انسان اپنے پاس جو کچھ رکھتا ہے۔ خدا تعالےٰ کے حوالے کر دے، اس کی تمام قوتیں، اس کی تمام خواہشیں، اس کے تمام جذبات۔ اس کی تمام محبوبات غرضکہ سر کے بالوں کی جڑ سے لے کر پاؤں کے انگوٹھے تک، جو کچھ اس کے اندر ہے، اور جو کچھ اپنے سے باہر اپنے پاس رکھتا ہے، سب کچھ ایک لینے والے کے سپرد کر دے، وہ اپنے تمام قوائے جسمانی و دماغی کے ساتھ خدا کے آگے جھک جائے اور ایک مرتبہ ہر طرف سے منقطع ہو کر اور اپنے تمام رشتوں کو توڑ کر اس طرح گردن رکھ دے کہ پھر کبھی نہ اٹھے، نفس کی حکومت سے باغی ہو جائے، اور احکام الٰہیہ کا مطیع و منقاد۔"

یہی وہ حقیقت اسلامی کا قانون فطری ہے، جو تمام کائناتِ عالم میں جاری و ساری ہے۔ اس کی سلطنت سے زمین و آسمان کا ایک ذرّہ بھی باہر نہیں۔ ہر شے جو اس حیات کدۂ عالم میں وجود رکھتی ہے اپنے اعمال طبیعی کے اندر اس حقیقت اسلامی کی ایک مجسّم شہادت ہے، کون ہے،

جو اس کی اطاعت و انقیاد سے آزاد، اور اس کے سامنے سے اپنے جھکے ہوئے سر کو اٹھا سکتا ہے، اس نے کہا کہ میں "کبیر المتعال" ہوں، پھر کونسی ہستی ہے، جو اس کی کبریائی و جبروت کے آگے اپنے اندر اسلامی انقیاد کی ایک صدائے عجز نہیں رکھتی؟ زمین پر ہم چلتے ہیں اور آسمان کو دیکھتے ہیں، لیکن کیا دونوں اس حقیقت اسلامی کی طرف داعی نہیں ہیں؟

ملکوت السموات و الارض اور حقیقت اسلامی کا قانون عام

زمین کو دیکھو جو اپنے گرد و غبار کے اندر ارواح نباتاتی کی ایک بہشت حیات ہے، جس کے الوان جمال سے اس حیات کرۂ ارضی کی ساری دلفریبی اور رونق ہے، جس کی غذا بخشی انسانی خون کے لئے سرچشمۂ تولید ہے، اور جو اپنے اندر زندگیوں اور ہستیوں کا ایک خزانۂ لازوال رکھتی ہے۔ کیا اس کی وسیع سطح حیات پر در پر ایک ہستی بھی ہے، جو اس حقیقت اسلامی کے قانون عام سے مستثنیٰ ہو؟ کیا اس کی کائنات نباتاتی کا ایک ایک ذرہ خدائے اسلام کے قائم کئے ہوئے حدود و نوامیس کا مسلم یعنی اطاعت شعار نہیں ہے؟

بیج جب کہ زمین کے سپرد کیا جاتا ہے، تو فوراً اُسے لیتی ہے، کیونکہ اس کے بنانے والے نے اس کو ایسا ہی حکم دیا ہے؛ پھر اگر تم وقت سے پہلے واپس

مانگو، تو نہیں دے سکتی۔ کیونکہ اُس کا سرخدا کے آگے جھکا ہوا ہے اور خدا نے ہر بات کے لئے ایک وقت مقرر کردیا ہے (ولکل اجل کتاب) پس محال ہے کہ اُس کی خلاف ورزی کرے اور حقیقت اسلامی کے قانون عام کی مجرم ہو۔

قانونِ الہٰی نے زمین کی قوت نامیہ کے ظہور کے لئے مختلف دور مقرر کردیئے ہیں اور ہر دور کے لئے ایک وقتِ خاص لکھ دیا ہے۔ زمین کی درستگی کے بعد اس میں بیج ڈالا جاتا ہے۔ آفتاب کی تمازت اس کو حرارت پہنچاتی ہے۔ ابر و ہوا اور موسم موافق کی رطوبت اس کی پیوست میں اعتدال پیدا کرتی ہے۔ پانی کا بمقدار مناسب حصول اس کے نشوونما کو زندگی کی تازگی بخشتا ہے۔ یہ تمام چیزیں ایک خاص تسویہ و تناسب کے ساتھ اس کو مطلوب ہیں، پھر بیج کے گلنے اور سڑنے، مٹی کے اجزائے نباتاتی کی آمیزش، کونپلوں کے پھوٹنے، ان کے بتدریج بلند ہونے اور اس کے بعد شاخوں کے انشعاب اور پتوں اور پھولوں کی تولید، ان تمام مرحلوں سے اس بیج کا درجہ بدرجہ گزرنا ضروری ہے اور ہر زمانے کے لئے ایک حالت اور مدت مقرر کردی گئی ہے، یہی تمام مختلف مراحل و منازل زمین کی پیداوار کے لئے ایک شریعت الہٰیہ ہیں، جس کی اطاعت کائنات نباتات کی ہر روح پر فرض کردی گئی ہے۔ پھر کیا ممکن ہے، کہ زمین ایک لمحہ ایک

منٹ اور ایک مستثنیٰ مثال کے لئے بھی اس شریعت کے مسلم ہونے یعنیٰ اس کی اطاعت سے انکار کر دے ؛ اور اگر پھر اس کی خلاف ورزی کی جائے، تو کیا ممکن ہے کہ ایک دانہ بھی بار آور اور ایک پھول بھی شگفتہ ہو ؟
ایک درخت ہے جو پانچ سال کے اندر پھل لاتا ہے۔ پھر تم کتنی ہی کوشش کرو، پانچ مہینے کے اندر وہ کبھی پھل نہیں دے گا، ایک پھول ہے جس کے پودے کو زیادہ مقدار میں حرارت مطلوب ہے۔ پھر یہ محال ہے کہ وہ سائے میں زندہ رہ سکے، کیوں۔ اس لئے کہ پانچ سال کے اندر اُس کا حدِ بلوغ کو پہنچنا، اور دھوپ کی تیزی میں اس کا نشوونما پانا شریعت الٰہی نے مقرر کر دیا ہے۔ پس وہ مُسلم ہے اور حقیقت اسلامی کا قانونِ عام اِس کو سرکشی اور خلاف ورزی کا سر اُٹھانے نہیں دیتا۔

وَلَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ۔	اور جو کچھ آسمان میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے۔ سب اسی کا ہے۔ اور سب اس کے حکم کے تابع و منقاد ہیں۔

پس فی الحقیقت زمین کے عالم نظم و تدبیر میں جو کچھ ہے۔ حقیقت اسلامی ہی کا ظہور ہے :۔

وَفِي الْاَرْضِ اٰيٰتٌ	اور زمین میں ارباب یقین کے

لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۔ کے لئے خدا کی ہزاروں نشانیاں بھری پڑی ہیں۔

یہ سرفلک پہاڑوں کی چوٹیاں جو اپنے عظیم الشان قامتوں کے اندر خلعتِ کائنات کی سب سے بڑی عظمت رکھتی ہے یہ شیریں اور حیات بخش دریا، جو کسی مخفی تعلیم کے نقشے کے مطابق زمین کے اندر گاہ مستقیم اور گاہ پُرپیچ و خم راہ پیدا کرتے رہتے ہیں۔ یہ خوفناک و قہار سمندر، جس کے بے کنار سطح مہیب کے نیچے طرح طرح کے دریائی حیوانات کی بے شمار اقلیمیں آباد ہیں! غور کیجئے کہ کیا سلطان اسلام کی حکومت سے باہر ہیں پہاڑوں کی چوٹیوں کے سر گو بلند ہیں مگر اطاعت کے اسلام شعارانہ سر جھکے ہوئے ہیں زمین کا جو گوشہ اور سمندر کا جو کنارا ان کو دے دیا گیا ہے ممکن نہیں کہ وہ ایک انچ بھی اس سے باہر قدم رکھ سکیں۔ ان کے ارتقائے جسمانی کے لئے جو غیر محسوس رفتار نشو شریعت الٰہی نے مقرر کر دی ہے مجال ہے کہ اس سے زیادہ آگے بڑھ سکیں، انقلابات طبیعیہ کا حکم الٰہی ان کو ریزہ ریزہ کر دے، پر وہ اپنی جگہ سے ہل نہیں سکتے۔ اسی طرح دریاؤں اور سمندروں کی طرف کان لگائیے۔ کہ اُن کی زبان حال اسی حقیقت اسلامی کی کیسی عجیب شہادت دے رہی ہے؟ آپ نے سمندروں کے طوفانوں اور موجوں کی صورت میں دیکھا ہے کہ پانی کی سرکشیاں کیسی شدید

ہوتی ہیں؟ لیکن اس سرکش اور مغرور دیو پر جب حقیقت اسلامی کی اطاعت و انقیاد کا قانون نافذ ہوا تو اس بعجز و تذلل کے ساتھ اس کا سر جھک گیا کہ ایک طرف میٹھے پانی کا دریا بہہ رہا ہے اور دوسری طرف کھارے پانی کا بحر ذخار ہے۔ دونوں اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ کوئی شے ان میں حائل نہیں۔ مگر نہ تو دریا کی مجال ہے۔ کہ سمندر کی سرحد میں قدم رکھے، اور نہ سمندر باایں ہمہ قوت و قہاری اس کی جرارت رکھتا ہے کہ اپنی سرکش موجوں سے اس پر حملہ کرے۔

مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ یَلْتَقِیٰنِ	اس نے کھاری اور میٹھے پانی کے
بَیْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا یَبْغِیٰنِ	دو سمندروں کو جاری کیا کہ دونوں
فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا	آپس میں ملے ہوئے ہیں مگر پھر
تُكَذِّبٰنِ؟	بھی ایک دوسرے سے مل نہیں سکتے

کیونکہ دونوں کے درمیان اس نے حدِ فاصل قائم کر دی ہے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَهُوَ الَّذِیْ مَرَجَ الْبَحْرَیْنِ	اور وہی قادر مطلق ہے جس نے
هٰذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَّهٰذَا	دو دریاؤں کو آپس میں ملایا۔ ایک
مِلْحٌ اُجَاجٌ وَجَعَلَ بَیْنَهُمَا	کا پانی شیریں و خوش ذائقہ اور
بَرْزَخًا وَّحِجْرًا مَّحْجُوْرًا	ایک کا کھارا کڑوا اور پھر دونوں

کے درمیان ایک ایسی حدِ فاصل اور روک رکھ دی کہ دونوں باوجود ملنے کے بالکل الگ رہتے ہیں ۔

اب نظر ذرا اوپر اُٹھاؤ اور ملک السموات کے ان اجرام عظیمہ کو دیکھو، جن کے مرئیاتِ مدہشہ سے یہ سطح نیلگوں، اور اک انسانی کا سب سے بڑا منظر تحیّر ہے ۔ یہ عظیم الشان قہرمان تجلّی، جو روز ہمارے سروں پر چمکتا ہے جس کی فیضان بخشی حیات تمیز قرب وبعد سے ماورا رہے ۔ جس کا جذب انجذاب کائناتِ عالم کے لئے تنہا وسیلۂ تنویر ہے اور جس کا قہر حرارت کسی تجلّی گاہ حقیقی کا سب سے بڑا عکس وظلال ہے ، غور کرو تو اپنے اندر حقیقت اسلامی کی کیسی مؤثر شہادت مبین رکھتا ہے ۔ وہ جس کی جبروت و عظمت کے آگے تمام کائناتِ عالم کا سر جھکا ہوا ہے ۔ کیسے مسلم شعار اذعان کے ساتھ فاطر السموات کے آگے سربسجود کہ ایک لمحے اور ایک عشر دقیقے کے لئے بھی اپنے اعمال وافعال کے مقرر کردہ حدود سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا ۔

تَبٰرَکَ الَّذِیْ جَعَلَ	کیا مبارک ہے ذاتِ قدوس اس
فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ	کی، جس نے آسمان میں (گردش
جَعَلَ فِیْهَا سِرٰجًا	سیارات کے) دائرے بنائے اور
وَّقَمَرًا مُّنِیْرًا ،	اس میں آفتاب کی مشعل روشن

کردی، اور نیز روشن و منور چاند بنایا۔

پھر اُسی طرح اور تمام اجرام سماویہ کو دیکھو، اور اُن کے افعال و خواص کا مطالعہ کرو! ان کے طلوع و غروب، ایاب و ذہاب، حرکت و رجعت جذب و انجذاب، اثر و تاثر اور فعل و انفعال کے لئے جو قوانین ربِّ السمٰوات نے مقرر کردیے ہیں۔ کس طرح ان کی اطاعت و انقیاد کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں؟ یہی قوانین ہیں جن کو قرآن کریم "حدود اللہ" کے لفظ سے تعبیر کرتا ہے اور یہی "دین قیم" ہے، جو تمام نظام کائنات کے لئے بمنزلہ مرکز قیام و حیات ہے۔ عالم ارضی و سماوی کا کوئی مخلوق نہیں جو اس دین الٰہی کا پیرو نہ ہو، اور آفتاب سے لے کر خاک کے ذرّے تک کوئی نہیں جو اس کی اطاعت سے انکار کرے۔

اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ يَسْجُدَانِ وَالسَّمَآءَ رَفَعَهَا وَوَضَعَ الْمِيْزَانَ اَلَّا تَطْغَوْا فِي الْمِيْزَانِ۔

اسی کے حکم سے سورج اور چاند ایک حساب معیّن پر گردش میں ہیں اور تمام عالم نباتات کے سر اُس کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ اور اسی نے آسمان کو بلندی قراردیا اور (قانونِ الٰہی کا) میزان بنایا تاکہ تم لوگ اندازہ کرنے میں حد اعتدال سے متجاوز نہ ہو۔

پس نظام شمسی میں جس قدر نظم و تدبیر ہے ، سب اُسی "حقیقت اسلامی" کا ظہور ہے ۔ حقیقت اسلامی کی اطاعت و انقیاد نے ہر مخلوق کو اپنے اپنے دائرہ عمل میں محدود کر دیا ہے ۔ اور ہر وجود سر جھکائے ہوئے اپنے اپنے فرض کے انجام دینے میں مشغول ہے ۔ اگر زمین اپنے محور پر حرکت کرتی ہوئی اپنے دائرے کا چکر لگاتی ہے ۔ اگر آفتاب کی کشش اس کو ایک بال برابر بھی اِدھر اُدھر نہیں ہونے دیتی ، اگر ہر ستارہ اپنے اپنے دائرہ حرکت کے اندر ہی محدود ہے ۔ اگر تمام ستاروں کی باہمی جذب محیط ہمیشہ اُس تسویہ و میزان کے ساتھ قائم رہتی ہے کہ عظیم الشان قوتوں کے یہ پہاڑ آپس میں نہیں ٹکراتے ۔ اگر اُن کی حرکت و سیر کی مقدار ، اور اوقاتِ مقررہ میں طلوع و غروب ، ایک ایسا ناممکن التبدیل قانون ہے ۔ جس میں کبھی کمی بیشی نہیں ہوئی اور اگر :۔

لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا	نہ تو آفتاب کے اختیار میں ہے
أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرَ	کہ چاند کو جا لے ۔ اور نہ رات
وَلَا اللَّيْلُ سَابِقُ	کے بس میں ہے کہ دن سے پہلے
النَّهَارِ وَكُلٌّ فِي	ظاہر ہو جائے اور تمام اجرام سماویہ
فَلَكٍ يَسْبَحُونَ	اپنے اپنے دائروں کے اندر ہی
	تیر رہے ہیں ۔

تو پھر اس کے کیا معنی ہیں ؟ کیا یہ اعمالِ کائنات اِس امر کی شہادت نہیں ہیں کہ دُنیا میں اصل قوت صرف "اسلام" ہی کی قوت ہے، اور اس عالم کا وجود صرف اسی لئے زندہ ہے ۔ اور حقیقت اسلامی اس پر طاری ہو چکی ہے ورنہ اگر ایک لمحہ کے لئے بھی اِس حقیقت کی حکومت دُنیا سے اُٹھ جائے تو تمام نظامِ عالم درہم برہم ہو جائے ۔

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ	کیا یہ دینِ الٰہی کو چھوڑ کر کسی اور
حَكَمًا ؟ وَلَهٗ اَسْلَمَ	کے آگے سر جھکانا چاہتے ہیں ۔ ؟
مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	حالانکہ آسمان و زمین میں کوئی
طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ	نہیں جو اس دینِ الٰہی کا مسلم یعنی مطیع
تُرْجَعُوْنَ ۔	و منقاد نہ ہو ۔

اور آسمان و زمین پر کیا موقوف ہے، اگر خود اپنے اندر بھی دیکھئے تو جسم انسانی کا کون سا حصہ ہے، جس پر حقیقت اسلامی طاری نہیں ؟ خود آپ کو تو اُس کے آگے جھکنے سے انکار ہے لیکن اس کی خبر نہیں کہ آپ کے اندر جو کچھ ہے ۔ اُس کا ایک ذرّہ کس کے آگے سربسجود ہے ؟

دل کے لئے یہ شریعت مقرر کر دی گئی کہ اپنے قبض و بسط سے جسم کے تمام حصوں میں خون کی گردش جاری رکھے ۔ کہ اس کا اضطراب و التہاب ہی روح کے سکون حیات کا ذریعہ ہے ۔ نیز حرکت کی ایک مقدار مقرر کر دی اور

خون کے دخل و خرج کے لئے ایک پیمانۂ اعتدال بنا دیا۔ پھر ذرا اپنے بائیں پہلو پر ہاتھ رکھ کر دیکھیے کہ اس عجیب و غریب مضغۂ گوشت نے کس استغراق و محویت کے ساتھ حقیقت اسلامی کا سر جھکا دیا ہے کہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس سے غافل نہیں، اور اگر ایک چشم زدن کے لئے بھی سرکشی کا سر اٹھائے تو نظامِ حیات بدنی کا کیا حال ہو؟ اس طرح کارخانہ جسم کے ایک ایک پُرزے کے تشریحی فرائض پر نظر ڈالئے اور دیکھیے کہ آپ کے اندر سر سے پاؤں تک جس قدر زندگی ہے۔ اِس حقیقت اسلامی ہی کے نظام سے ہے آنکھوں کا ارتسام انعکاس، کانوں کی قوت سامعہ، معدے کا فعل انہضام، اور سب سے بڑھ کر طلسم سرائے دماغ کے عجائب و غرائب۔ سب اسی لئے کام دے رہے کہ "مسلم" ہیں۔ اور حقیقت اسلامی کے اطاعت شعار۔ آپ کے جسم کی رگوں کے اندر جو خون دوڑ رہا ہے۔ کبھی آپ نے یہ بھی سوچا ہے کہ کس کے حکم کی سطوتِ جبروت ہے جو اِس رہ نوردِ لیل و نہار کو دوڑا رہی ہے۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ؟	اور اگر باہر کی طرف سے تمہاری آنکھیں بند ہیں! تو کیا اپنے نفس کے اندر بھی نہیں دیکھتے۔

اور یہی اشارہ ہے؟ جو اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے کہ:۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا	ہم اپنی نشانیاں عالم کائنات کے

سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ۔	مختلف اطراف وجوانب میں بھی دکھلائیں گے، اور انسان کے اندر بھی، یہاں تک کہ ان پر ظاہر ہوجائے گا کہ دینِ الٰہی برحق ہے۔

اور یہی حقیقت اسلامی کی وہ اطاعت شعاری ہے جس کو لسانِ الٰہی نے عالم کائنات کی تسبیح و تقدیس سے تعبیر کیا ہے۔

کیونکہ فی الحقیقت اِس عالم کا ہر وجود اپنے فطرۓ اسلامی کی زبانِ حال سے اُس سبّوح وقدوس کی عبادت میں مشغول ہے۔

تُسَبِّحُ لَهُ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِيْهِنَّ، وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِيْحَهُمْ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا غَفُوْرًا۔	تمام آسمان، اور تمام زمینیں اور جو کچھ اُن کے اندر ہے۔ سب کے سب اسی خدا کی تسبیح و تقدیس میں مشغول ہیں۔ اور کائنات میں کوئی چیز نہیں جو زبانِ اطاعت سے اس کی حمد وثنا اور تسبیح و تقدیس نہ کرتی ہو مگر ان کی اس آواز کو نہیں سمجھتے اور اس پر غور نہیں کرتے۔

خلافتِ انسانی و رحقیقتِ اسلامی

اور یہی وہ عہد و میثاق عبودیت تھا۔ جس کا اقرار صحبت ازل کے ہر جُرعہ نوش جام "بلیٰ" سے لیا گیا، اور حقیقتِ اسلامی کی محویت اوّل نے سب کی زبان سے بےاختیارانہ انقیاد کرالیا۔

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي!

اور وہ وقت یاد کرو، جب تمہارے پروردگار نے بنی آدم سے اُس کی ذریّت (بصورت تعیّن اولیٰ) نکالا اور اُن کے مقابلے میں خود انہی سے شہادت دلا دی، اس طرح کہ

اُن سے پوچھا ،۔ کیا میں تمہارا آمرو حاکم اور رب الارباب نہیں ہوں ؟

سب نے اطاعت کے سر جھکا دیئے کہ بے شک، تو ہی مستحق اطاعت ہے اور اسی حقیقت اسلامی کے سر جھکانے کا نتیجہ وہ سربلندی ہے جو انسان کو تمام مخلوقات ارضیہ میں حاصل ہے اور جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے صفات کاملہ کا مظہر اور زمین پر اس کا خلیفہ قرار پایا، اُس نے جب اللہ کے آگے سر اطاعت جھکا دیا، تو اللہ نے اُن تمام مخلوقات ارضیہ کو، جن کے سر اُس کے آگے جھکے ہوئے تھے، حکم دیا کہ اسی جھکنے والے کے آگے تم بھی جھک جاؤ۔ کہ من تواضع للہ رفع اللہ۔

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْٓ اٰدَمَ	اور ہم نے شرف و کرامت عطا فرمایا
وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ	نسل انسانی کو اور تمام خشکی و تری
وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ	کی چیزوں کو حکم دیا کہ اُس کے مطیع
الطَّيِّبٰتِ	ہو جائیں اور اس کو اٹھالیں، اور

اُس کے لئے دنیا میں بہترین اشیاء پیدا کریں۔

حقیقتِ اسلامیہ کا ضدِ حقیقی یا قوت شیطانی

کائنات کی ہر مخلوق نے اس کے حکم کی تعمیل کی۔ کیونکہ ان کے سر تو اُن کے آگے جھکے ہوئے تھے۔ پر ایک شریر ہستی تھی۔ جس نے غرور و تجبر کے ساتھ

سر اُٹھایا اور انسان کی اطاعت سے انکار کر دیا۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ اَبٰی وَاسْتَکْبَرَ وَکَانَ مِنَ الْکٰفِرِیْنَ۔

اور جب تمہارے پروردگار نے ملائک کو حکم دیا کہ نوعِ آدم کے آگے اطاعت کے سر جھکا دو، تو سب جھک گئے مگر ایک ابلیس تھا جس نے انکار کیا اور کبر و غرور کا سر اُٹھا اور وہ یقیناً کافروں میں سے تھا۔

"وکان من الکافرین" کیونکہ اسلام کے معنی جھکنے کے ہیں اور کفر نام ہے سرکشی کا "ابلیس" نے جھکنے سے انکار کیا اور سرکشی کا سر اُٹھایا، پس "وہ ضرور کافروں میں سے تھا۔"

یہی ایک شریر طاقت ہے جو تمام سرکشیوں اور ہر طرح کے ظلم و طغیان کا عالم میں مبدء ہے۔ یہی وُہ تاریکی کا اہرمن ہے۔ جو یزدانی نور و ضیا کے مقابلے میں اپنے تئیں پیش کرتا ہے یہی وہ قہرمانِ ضلالت ہے جو انسان کے پاؤں میں اپنی اطاعت کی زنجیریں ڈال کر اس کو اسلامی اطاعت سے باز رکھتا ہے۔ یہی وہ ابو الکفر ہے جس کی ذریت انسان کے اندر اور باہر دونوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور جب چاہتا ہے، انسان کے مجرائے دم کے اندر پہنچ اپنی ضلالت کے لئے راہ پیدا کر لیتا ہے۔ اور یہی وہ اسلام کی

حقیقت کا اصل ضد، اور اس کی قوت ہدایت کا قدیمی دشمن ہے جس نے
اپنے کفر کے پہلے ہی دن کہہ دیا کہ :-

قَالَ أَرَءَيْتَكَ هَٰذَا
الَّذِي كَرَّمْتَ عَلَيَّ لَئِنْ
أَخَّرْتَنِ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ
لَأَحْتَنِكَنَّ ذُرِّيَّتَهُ
إِلَّا قَلِيلًا ،

شیطان نے آدم کی طرف اشارہ کرکے
کہا کہ یہی ہے جس کو تو نے مجھ پر فوقیت
دی ہے۔ لیکن تو مجھ کو روز قیامت
تک مہلت دے، تو میں اپنی قوتِ
ضلالت سے اس کی تمام نسل کو تباہ
کردوں، البتہ وہ تھوڑے سے لوگ جن پر میرا جادو نہ چلے گا، میری حکومت
سے باہر رہ جائیں گے۔

لیکن خدا تعالےٰ نے یہ کہہ کر جھڑک دیا کہ:-

اذْهَبْ فَمَن تَبِعَكَ
مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ
جَزَاؤُكُمْ جَزَاءً مَّوْفُورًا
وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ
مِنْهُم بِصَوْتِكَ وَأَجْلِبْ
عَلَيْهِم بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ ۵
وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ

جا دُور ہو! جو شخص نسلِ آدم میں سے
تیری متابعت کرے گا، اس کے لئے
عذابِ جہنم کی پُوری سزا ہو گی۔ ان میں
سے جن جن کو تو اپنی پرفریب صداؤں
سے بہکا سکتا ہے "بہکالے" ان پر
اپنی فوج کے سواروں اور پیادوں
سے چڑھائی کردے، ان کی مال و

وَالْاَوْلَادِ وَعِدْهُمْ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا۔ — دولت اور اولاد و فرزند میں شریک ہو کر اپنا حصہ لگالے اور ان سے جتنے

جھوٹے وعدے کر سکتا ہے کرلے۔ شیطان کے وعدے محض دھوکے اور فریب سے زیادہ نہیں ہیں

پھر یہی ہے جس کو خواہ تم اپنے سے خارج سمجھو یا خود اپنے اندر تلاش کرو اس کے حکم ضلالت کے احکام دونوں جگہ جاری ہیں۔ وہ کبھی تمہاری رگوں کے اندر کے خون میں اپنی ذریات کو اُتار دیتا ہے۔ تاکہ تم پر اندر سے حملہ کرے کبھی باہر سے آکر تمہارے دماغ و حواس پر قابض ہو جاتا ہے۔ تاکہ تم کو اپنے آگے جھکاکر خدا کے آگے جھکنے سے باز رکھے۔ وہ کبھی تمہارے مال و متاع میں کبھی محبت اہل و عیال میں اور کبھی عام محبوبات و مرغوبات دنیویہ میں شریک ہو جاتا ہے۔ اور اسی طرح تمہاری ہر شے خدا کی جگہ اس کے لئے ہو جاتی ہے۔ تم چلتے ہو تو اس کے لئے، کھاتے ہو تو اس کے لئے اور پہنتے ہو تو اُس کے لئے حالانکہ حقیقت اسلامی چاہتی ہے کہ تم جو کچھ کرو خدا کے لئے کرو۔

ہر تاریکی جو روشنی کو چھپانا چاہتی ہے، ہر سیاہی جو سفیدی کے مقابلے میں ہے۔ ہر تمرد و سرکشی جو اطاعتِ الٰہی کی ضد ہے۔ اور ہر وہ شے جو حقیقت اسلامی سے خالی ہے۔ یقین کرو کہ شیطان ہے اور دنیا کی ہر لذت اور ہر راحت جس کا انہماک اس درجہ تک پہنچ جائے کہ وہ حقیقت اسلامی سے

انقیاد پر غالب آجائے، شیطان کی ذریت میں داخل، پس اُس کے وجود کی
نسبت کیوں سونچتے ہو کہ وہ کیسا ہے اور کہاں ہے ؟ اس کو دیکھو کہ وہ
تمہارے ساتھ کیا کر رہا ہے ؟ (مسیح) نے کہا کہ ایک نوکر دو آقاؤں کو خوش
نہیں کر سکتا اور قرآن کریم کہتا ہے کہ :-

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ	اللہ نے کسی انسان کے پہلو میں دو دل
مِّنْ قَلْبَیْنِ فِی جَوْفِہٖ	نہیں رکھے ہیں بلکہ دل ایک ہی

ہے۔

پس ایک دل کے سر بھی دو چوکھٹوں پر نہیں جھک سکتے، اور دنیا
میں دل ہی ایک ایسا جوہر ہے جس کی تقسیم نہیں ہو سکتی یا وہ قوت
شیطانی کا مطیع و منقاد ہوگا، یا قوت رحمانی کا یا وہ شیطان کا عبادت
گذار ہوگا یا خدائے رحمان کا۔ اور عبادت و پرستش سے مقصود یہی ہے
کہ پتھر کا ایک بُت تراش کر اُس کے آگے سربسجود ہو۔ یہ تو وہ ادنےٰ شرک
ہے جس سے قریش مکہ کا خیال بھی بلند تھا، بلکہ ہر وہ انقیاد، ہر وہ سخت و شدید
انہماک، اور وہ استغراق و استیلا، جو حقیقت اسلامی کے انقیاد اور محبت
الہٰی پر غالب آجائے اور تم کو اس طرح اپنی طرف کھینچ لے کہ جس کی طرف
تمہیں کھینچنا تھا، اُس کی طرف سے گردن موڑ لو، درحقیقت وہی تمہاری
پرستش و عبادت کا بُت ہے اور تم اس کے بُت پرست اور اصلی و حقیقی شرک

کے مشرک۔ یہی سبب ہے کہ حقیقت شناسانِ توحید نے فرمایا:۔
من شغلک عن اللہ فھو منمک ومن الھاک فھو مولاک (جس چیز نے تم کو اللہ سے الگ کرکے اپنی طرف متوجہ کر لیا، وہی تمہارے لئے بُت ہے اور تم اس کے پُوجنے والے ہو) خواہ وہ جنّت کی ہوس اور حور و قصور کا شوق ہی کیوں نہ ہو؟

(رابعہ بصریہ) سے جب پوچھا کہ ما الشرک؟ شرک کی حقیقت کیا ہے؟ تو اُس نے کہا کہ طلب الجنۃ واعراض عن ربھا۔ جنّت کی طلب کرنا اور مالک جنّت کی طرف سے غافل ہو جانا! یہی سبب ہے کہ قرآن کریم نے ہوائے نفس کو معبود و الٰہ کے لفظ سے تعبیر کیا ہے:۔

أَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلٰهَهُ هَوٰىهُ؟	آیا تم اس گمراہ کو نہیں دیکھتے جس نے اپنی ہوائے نفس کو معبود بنا لیا ہے۔

اور کس قدر میرے مطلب کو واضح تر کر دیتی ہے، سورہ یاسین کی وہ آیت جب کہ فرمایا:۔

أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِيٓ اٰدَمَ أَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ، إِنَّهُ لَكُمْ	کیا ہم نے تم سے اے اولاد آدم؟ • اس کا عہد نہیں لے لیا تھا کہ شیطان کی پُوجا سے باز رہو، کیونکہ وہ تمہارا

عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ۝ وَّ اَنِ اعْبُدُوْنِیْ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیْمٌ

ایک دشمن ہے۔ اور صرف ہماری ہی عبادت کرو کہ یہی ہدایت کی حقیقی راہ ہے؟۔

یہاں شیطان کی اطاعت کو بندگی اور عبادت کے لفظ سے تعبیر کیا، اور عبادت الہٰی کے اس عہد و میثاق کو یاد دلایا، جو "الست بربکم" کے سوال کے جواب میں تمام بنی آدم سے لیا جا چکا ہے۔ پس حقیقت اسلامی یہ چاہتی ہے کہ انسانی قوت شیطانی سے باغی ہو کر صرف خدا تعالےٰ کا ہو جائے اور اس کے آگے سر انقیاد جھکا کر اپنے "میثاق بلیٰ" کی تجدید کرے تاکہ وہ اللہ کا بندہ ہو اور اللہ کا بندہ وہی ہے جو شیطان کا نہیں ہے

اِنَّ "عِبَادِیْ" لَیْسَ لَکَ عَلَیْھِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ وَکَفٰی بِرَبِّکَ وَکِیْلًا۔

خدا تعالےٰ نے شیطان سے کہا کہ جو "میرے بندے" ہیں، اُن پر تیری حکومت نہیں چلنے کی۔ اور خدا اپنے بندوں کی کارسازی کے لئے بس کرتا ہے۔

یہاں اِن بندگان مخلصین کو جو شیطان کے اثر و استیلا سے محفوظ ہوں، خدا نے اپنی طرف نسبت دی کہ " ان عبادی" جو لوگ میرے بندے ہیں حالانکہ کون ہے جو اُس کا بندہ نہیں ہے؟ مگر مقصود یہ تھا کہ میرے

بندے تو وہی ہیں، جو صرف میرے لئے ہیں، لیکن جنہوں نے میرے آگے جھک کر پھر اپنے سر کو دوسری چوکھٹوں پر بھی جھکا دیا ہے، تو دراصل انہوں نے بندگی کا رشتہ کاٹ دیا۔ گو وہ میرے تھے۔ لیکن اب میرے باقی نہیں رہے کیونکہ انہوں نے توحید محبت کو شرکت غیر سے محفوظ نہیں رکھا! افسوس کہ یہ موقع اس بیان کی تشریح و تفصیل کا مقتضی نہیں اور مطالب اصل منتظر رجوع)

رجوع الی المقصود

پس لفظ اسلام کے معنی ہیں کہ چیز کے حوالہ کر دینے، دے دینے اور گردن رکھ دینے کے اور یہی حقیقت دینِ اسلام کی ہے۔ کہ انسان اس رب الارباب کے آگے اپنی گردن رکھ دے، اور اس انقطاع، اور انقیاد حقیقی کے ساتھ گویا اُس نے اپنی گردن اُس کے سپرد کر دی اور کوئی حق و ملکیت اور مطالبہ اس کا باقی نہیں رہا، اب وہ اپنی کسی شے کا خواہ وہ اس کے اندر ہو یا باہر۔ مالک نہیں رہا بلکہ ہر شے اس قدرت الہیہ کی ہو گئی جس کا نام "اسلام" ہے۔

مہالک و خطرات حیات

انسان کے اندر اور انسان کے باہر سینکڑوں مطالبات ہیں جو اس کو

اپنی طرف کھینچ رہے ہیں، اس کے اندر سب سے بڑے مظہر ابلیس، یعنی نفس کی قوت قاہرہ کا دست طلب بڑھا ہوا ہے اور وہ ہر دم اور ہر لمحے اس کی ہر شے کو اس سے مانگ رہا ہے۔ تاکہ اس کو خدا کی جگہ اپنا لے۔ باہر دیکھتا ہے۔ تو محبوبات دنیوی اور مہالک حیات کے دام قدم قدم پر بچھے ہوئے ہیں اور جس طرف جاتا ہے۔ اس سے اس کا قلب و دماغ مانگا جاتا ہے تاکہ اُسے خدا سے چھین لیں۔ جذبات اور خواہشوں کے بے اعتدالانہ اقدامات کی فوجوں نے اس کے دماغ کا محاصرہ کر لیا ہے اور آزمائشوں اور امتحانوں کی کثرت سے اس کا ضمیر اور دل ایک دائمی شکست سے مجبور ہے۔ اہل و عیال، عزت و جاہ، مال و دولت کے "قناطیر مقنطرہ" اور تمام وہ چیزیں جن کو قرآن زینتِ حیات سے تعبیر کرتا ہے۔ اس کے کمزور دل کے لئے اپنے اندر ایک ایسی پُرکشش سوال رکھتی ہیں۔ جس کو رد کرنا اس کے لئے سب سے بڑی آزمائش ہو جاتا ہے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ	انسان کی حالت اس طرح کی
الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ	واقع ہوئی ہے کہ اُس کے لئے
وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ	دنیا کی مرغوب چیزوں مثلاً
الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ	اہل و عیال، سونے چاندی کے

وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ	ڈھیر، عمدہ گھوڑے، مویشی اور
الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ	کشت کاری میں بڑی وابستگی
وَالْحَرْثِ -	ہے۔

پس انقیاد اسلامی کے معنے یہ ہیں کہ انسان اپنی جنس دل وجان کے بہت سے خریدار نہ بنائے، بلکہ ایک ہی خریدار سے معاملہ کرے وہ ان مانگنے والوں میں سے جن کے ہاتھ اُس کی طرف بڑھے ہوئے ہیں۔ اپنے تئیں بچائے اور اس ایک ہاتھ کو دیکھے جو باوجود اُس کی طرح طرح کی بے وفائیوں کے پھر بھی وفائے محبّت کے ساتھ اس کی طرف بڑھا ہوا ہے اور گو اس نے اپنے متاع دل وجان کو کتنا ہی ناقص اور خراب کر دیا ہو، لیکن پھر بھی بہتر سے بہتر قیمت دے کر خریدنے کے لئے موجود ہے اور صدائے محبّت " مَنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا " سے ہر آن و ہر لمحہ عشق نواز ہر قلب مشتاق ہے۔ یہ خواہ کتنی پیمان شکنیاں کرے، لیکن وہ اپنا عہدِ محبت آخر تک نہیں توڑتا کہ :۔ یا ابن آدم، لَوْ ذُنُوبُكَ عَنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفِرْنِي غَفَرْتُ لَكَ، اور جس کی وفائے محبّت کا یہ حال ہے کہ خواہ تمام عمر اُسے کتنا ہی روٹھا ہوا رکھو، لیکن اگر انابت و اضطرار کا ایک آنسو بھی سفارش کے لئے ساتھ لے جاؤ تو وہ پھر بھی سننے کے لئے تیار ہے۔ اور جس کے دروازے سے خواہ کتنا ہی بھاگو، لیکن پھر بھی اگر شوق کا ایک قدم بڑھاؤ تو وہ دو قدم

بڑھ کر تمہیں لینے کے لئے منتظر ہے ؎

عاشقاں ہر چند مشتاق جمال دلبراند
دلبراں بر عاشقاں از عاشقاں عاشق تراند

جس کا دروازۂ قبولیت کبھی بند نہیں، اور جس کے یہاں مایوسی سے بڑھ کر اور کوئی جرم نہیں :-

قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا	اے وہ میرے بندو! کہ گناہوں میں
عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن	ڈوب کر تم نے اپنے نفوس پر سخت
رَّحْمَةِ اللَّهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ	دیا دتیاں کی ہیں۔ خواہ تم کیسے
يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا ۚ	ہی غرق معصیت ہو، مگر پھر بھی اس
إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ	محبت فرما کی رحمت سے ناامید نہ ہو

یقیناً وہ تمہارے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا۔ بے شک وہی درگزر کرنے والا ہے۔ اور اس کی بخشش رحم عام ہے۔

با گناہگاراں بگویم تا نیند از ند دل
من دفلئے دوست را در بے وفائی یافتم

اب اس قدر توطیۂ و تمہید کے بعد قرآن کریم کی طرف رجوع کرو کہ وہ اس حقیقت اسلامی کو بار بار دُہراتا ہے یا نہیں؟ اول تو خود لفظ اسلام ہی اس حقیقت کے وضوح کے لئے کافی ہے، لیکن اگر کافی نہ ہو، تو جس قدر کہ

چکا ہوں، اس سے زیادہ کہنے کے لئے ابھی باقی ہے۔

قرآن کریم میں جہاں کہیں اسلام کا لفظ آیا ہے، غور کیجئے تو اس حقیقت کے سوا اور کوئی معنے ثابت نہ ہوں گے :۔

وَمَنْ يُّسْلِمْ وَجْهَهٗٓ اِلَى اللّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۔

(اور جس کسی نے اپنا منھ اللہ کی طرف جھکا دیا یا اپنی گردن اللہ کے حوالے کر دی) اور اعمال حسنہ انجام دیئے، تو بس دین الٰہی کی مضبوط رسّی اُس کے ہاتھ آگئی۔

ایک دوسری جگہ فرمایا :۔

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ۔

اور اس شخص سے بہتر کس کا دین ہو سکتا ہے۔ جس نے اللہ کے لئے اپنا سر جھکا دیا (اللہ کے حوالے کر دیا) اور اعمال حسنہ انجام دیئے

سورۂ آلِ عمران کی ایک آیت میں جو اسلام کی حقیقت کی تفصیل و تشریح کے لئے ایک جامع ترین آیت ہے۔ اسلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:۔

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (دین اللہ کے یہاں صرف ایک ہی ہے اور وہ اسلام ہے) پھر اس کے بعد کہا:۔

وَإِنْ حَآجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَ مَنِ اتَّبَعَنِ ، وَقُلْ لِّلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتٰبَ وَالْأُمِّيِّينَ ءَأَسْلَمْتُمْ ؕ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوا ۚ وَإِنْ تَوَلَّوْا ، فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ، وَاللَّهُ بَصِيرٌۢ بِالْعِبَادِ ۔	اگر منکرین اس بارے میں تم سے حجت کریں تو کہہ دو کہ میں نے اور یہ میرووں نے تو صرف اللہ ہی کے آگے اپنا سر جھکا دیا ہے اور پھر یہود و انصاری اور مشرکین عرب سے پوچھو کر بھی اس کے آگے جھکے یا نہیں ؟ سو اگر وہ جھک گئے (یعنی مسلم ہو گئے) تو بس انہوں نے ہدایت پالی ۔ اور اگر انہوں نے

گردنیں موڑلیں، تو وہ جانیں ، اور ان کا کام جانے ۔ تمہارا فرض تو حکم الٰہی پہنچا دینا تھا ۔ اور اللہ اپنے بندوں کو ہر حال میں دیکھ رہا ہے۔

اسی طرح ایک دوسری جگہ تعلیم فرمایا کہ کہو ۔

وَأُمِرْتُ أَنْ أُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِينَ ۔	اور مجھ کو حکم دیا گیا ہے کہ ہر طرف منہ پھیر کر اس کے آگے جھک جاؤں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔

اسلام کے مقابل "ولی" اور "تولی"

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ہر جگہ اسلام کے ساتھ منکرین اسلام کے

لئے "ولی" اور "اعرض" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے "ولی عن الشئی" کے معنے لغت میں "اعرض" کے ہیں اور "تولیٰ عنہ" اسے "اعرض عنہ" ہر جگہ پاؤ گے ، یعنی کسی چیز کی طرف سے منہ موڑ لینا اور گردن پھیر لینی "وَاِذَا تُتْلٰی عَلَیْہِمْ اٰیٰتُنَا وَلّٰی مُسْتَکْبِرًا کَاَنْ لَّمْ یَسْمَعْھَا" اور جب ان میں سے کسی منکر کو قرآن کی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو ہیجان و غرور سے اکڑتا ہوا گردن پھیر کر چل دیتا ہے

اسی طرح اور سینکڑوں مقامات میں فرمایا: "فان تولوا فقل حسبی اللہ" (اگر وہ تیری طرف سے گردن پھیر لیں تو کہہ دے کہ مجھ کو خدا بس کرتا ہے) "ولوا علیٰ ادبارھم نفورا" (جب کفار کے آگے ذکر الہٰی کرو تو وہ پیچھے کی طرف منہ موڑ کر نفرت کناں چل دیتے ہیں۔

چونکہ اسلام کی حقیقت اللہ کے آگے سر جھکا دینا اور اپنی گردن سپرد کر دینا ہے ، اس لئے اس کے انکار کو ہر جگہ "تولیٰ" اور "اعرض" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

کَذٰلِکَ یُتِمُّ نِعْمَتَہٗ
عَلَیْکُمْ لَعَلَّکُمْ تُسْلِمُوْنَ
فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا
عَلَیْکَ الْبَلٰغُ الْمُبِیْنُ ۔

اور اسی طرح اللہ اپنی نعمتیں
تم پر پوری کرتا ہے تاکہ تم اس
کے آگے جھکو ، اور اے پیغمبر
اگر باوجود اس کے بھی لوگ گردن

نہ جھٹلائیں تو تمہارا فرض تو صرف حکم الٰہی پہنچا دینا ہی ہے۔